وما آتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا (الحشر:۸)

شیخ القرآن، سلطان الاساتذہ حضرت
علامہ عبد اللہ خان عزیزی علیہ الرحمہ کے حدیثی افادات پر مشتمل کتاب

انوارِ نبوت

بقلم: شیخ القرآن سلطان الاساتذہ

حضرت علامہ عبد اللہ خان عزیزی علیہ الرحمہ

سابق صدر المدرسین دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی، یوپی



ترتیب

مفتی کمال احمد علیمی نظامی

استاذ و مفتی دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی یوپی

بسب نوازش

الحاج وصی الدین خان نورانی صاحب صدر اعلیٰ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی یوپی

ناشر

مبلغ اسلام ریسرچ سینٹر ممبئی انڈیا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ۚ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (الحشر:۷)



شیخ القرآن، سلطان الاساتذہ، حضرت

علامہ عبد اللہ خان عزیزی علیہ الرحمہ کے حدیثی افادات پر مشتمل کتاب

انوارِ نبوّت



بقلم

سلطان الاساتذہ، شیخ القرآن، حضرت علامہ عبد اللہ خان عزیزی علیہ الرحمہ

سابق شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی یوپی



ترتیب

کمال احمد علیمی نظامی

دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی، یوپی



حسب خواہش

الحاج وصی الدین خان نورانی صاحب، صدرِ اعلیٰ دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی



ناشر

مبلغ اسلام ریسرچ سینٹر، ممبئی (انڈیا)

تفصیلات



نام کتاب : انوارِ نبوّت

مصنف : شیخ القرآن علامہ عبداللہ خاں عزیزی علیہ الرحمہ علیہ الرحمہ

ترتیب : حضرت مفتی کمال احمد علیمی نظامی

حسب خواہش : حاجی وصی الدین نورانی صاحب

سنہ طباعت : ۱۴۴۵ھ / ۲۰۲۳ء

ناشر : مبلغ اسلام ریسرچ سینٹر، ممبئی، مہاراشٹر (انڈیا)

Book's Name: **Anwar-e-Nabuwwat**

Author: Shaikhul Quran, Hazrat Allama ABDULLAH KHAN Azizi (Alaihir rahmah.)

Publisher: Muballigh-e-Islam Research Centre. Mumbai (India)

Publishing Year: 1445 A.H./2023 C.E

ملنے کے پتے

(۱) مبلغِ اسلام ریسرچ سنٹر، جمدا شاہی، ضلع بستی، یوپی

(۲) دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی، یوپی

(۳) دارالعلوم علیمیہ نسواں، جمدا شاہی، بستی، یوپی

(۴) علیمی کتب خانہ، جمدا شاہی، ضلع بستی

فہرست مضامین



تقدیم

از مرتّبِ کتاب

لاریب محبت رسول(علیہ السلام) جان ایمان ہے، مگر محبت رسول (علیہ السلام) کا بنیادی تقاضا اتباع رسول(علیہ السلام) ہے، اتباع رسول(علیہ السلام) بغیر معرفت حدیث کے ممکن نہیں، اسی لیے عہد رسالت ہی سے حدیث شریف سے اشتغال کو باعثِ سعادت سمجھا گیا، یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

حدیث کے لغوی معنی نئی چیز کے ہیں۔

اِصطلاح حدیث میں ہر اُس قول، فعل یا تقریر کو حدیث کہا جاتا ہے جس کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف کی جاتی ہو۔

تقریر سے مراد وہ فعل ہے جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا گیا مگر رسول اللہ ﷺ نے نہ تو اِس کے کرنے کا حکم دیا اور نہ ہی اس سے منع فرمایا بلکہ اِس پر سکوت فرمایا۔

اس تعریف کے اعتبار سے حدیث کی تین قسمیں ہیں :

حدیث قولی : وہ تمام تر روایات جس میں نبی کریم ﷺ نے کسی کام کے کرنے کا حکم دیا ہو قولی حدیث کہلاتی ہے۔

حدیث فعلی: ایسی روایات جن میں نبی کریم ﷺ کے فعل کا تذکرہ ہو حدیث فعلی کہلاتی ہے۔

حدیث تقریری: ایسی روایت جس میں حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کا وہ عمل درج ہو جو آپ ﷺ کے سامنے کیا گیا ہو اور آپ ﷺ نے اس سے منع نہ فرمایا ہو، حدیث تقریری کہلاتی ہے۔

ترویج حدیث پر نبوی بشارت:

حدثنا ابن أبي عمر قال: حدثنا سفيان، عن عبد الملك بن عمير، عن عبد الرحمن بن عبد الله بن مسعود، يحدث عن أبيه، عن النبي

صلى الله عليه وسلم، قال: «نضر الله امرأ سمع مقالتي فوعاها وحفظها وبلغها، فرب حامل فقه إلى من هو أفقه منه»: أخرجه الترمذي في باب ما جاء في الحث على تبليغ السماع،ج: ٥صفحه: ٣٤، برقم (٢٦٥٨)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ خوشحال کرے اس آدمی کو جس نے میری بات سنی اور اس کو یاد رکھا اور دل کی گہرائیوں میں اسے محفوظ کرکے دوسرے تک پہنچادیا، کیوں کہ بہت سے حامل فقیہ غیر فقیہ ہوتے ہیں، اور بہت سے حامل فقہ اپنے سے بڑے فقیہ تک فقہ اٹھالے جاتے ہیں۔

تدوین حدیث:

منکرین حدیث دعویٰ کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام کے عہد میں حدیث شریف کی تدوین وکتابت نہیں ہوئی نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد میمون میں حدیث کی حفاظت کا کوئی خاص اہتمام کیا گیا، اس لیے حدیث میں الحاق وتحریف کا قوی امکان ہے، اس لیے حدیث شریف کو حجت ماننا غلط ہے،اس دعوے کی تردید کے لیے ذیل میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جارہی ہے۔

عہد رسالت میں حفاظت حدیث:

عہد نبوی میں کسی بھی امر مہتم بالشان کی حفاظت کے تین ہی طریقے معروف تھے، حفظ، کتابت، اور اس پر مسلسل عمل، ظاہر ہے ان میں سے ہر ایک یادداشت کا ایک مستقل ذریعہ ہے،اور اگر کسی چیز کی حفاظت وصیانت میں یہ تینوں ذرائع بروے کار لائے جائیں تو پھر اس میں کسی بھی طرح کے ہیر پھیر یا رڈوبدل کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے۔

حدیث کی حفاظت وصیانت کی ابتدا عہد رسالت ہی سے ہو چکی تھی، اس پر بے شمار دلائل موجود ہیں، شمع نبوت کے پروانوں نے حفاظت حدیث میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، چناں

چہ اس کام کے لیے انہوں نے مذکورہ تینوں ذرائع کا استعمال کیا، اس اجمال کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

عہد رسالت میں کتابت حدیث

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیکڑوں احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا جس کا نام ''صحیفۂ صادقہ'' تھا، اس میں بہت ساری حدیثیں مکتوب تھیں۔

(۲) حضرت عبد اللہ بن مسعود نے بھی احادیث لکھوائی تھیں، یہ ذخیرہ ان کے صاحبزادے کے پاس تھا۔

(۳) حضرت سعد بن عبادہ نے ایک کتاب میں احادیث کو جمع فرمایا تھا، جس کا نام ہی ''کتاب سعد بن عبادہ'' تھا، یہ کئی پشتوں تک ان کے خاندان میں رہا۔

(۴) حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے بھی ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔

(۵) احادیث کا ایک مجموعہ حضرت انس نے لکھا تھا۔

(۶) حضرت ابوہریرہ نے بھی دفتر کے دفتر احادیث لکھی یا لکھوائی تھیں۔

(۷) سمرہ بن جندب رضی اللہ نے بھی ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔

(۸) حضرت ابن عمر نے فرمایا ''بینما نحن حول رسول الله نکتب'' اس درمیان ہم رسول اللہ ﷺ کے اردگرد بیٹھ کر احادیث لکھا کرتے تھے۔ ''نحن نکتب'' سے اشارہ ملتا ہے کہ اس خدمت کو ایک جماعت انجام دیتی تھی اور اس کی تائید دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے۔

''كان عند رسول الله ﷺ ناس من اصحابه ،وانا معهم وانا اصغر القوم، فقال النبی ﷺ من كذب علیّ متعمداً فليتبوأ مقعده من النار، فلما خرج القوم قلت كيف تحدثون عن رسول الله ﷺ وقد سمعتم ما قال وأنتم تنهكون فی الحديث عن رسول الله ﷺ فضحكوا وقالوا يا ابن اخينا ان كل ما سمعنا منه عندنا فی كتاب'' (۱)

۱: نزہۃ القاری شرح بخاری، ۱/ ۱۲، دائرۃ البرکات، گھوسی۔

خدمت اقدس میں کچھ صحابہ حاضر تھے، میں بھی تھا، میں سب سے کم عمر تھا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے، پھر جب لوگ باہر آئے تو میں نے ان سے کہا، حضور ﷺ نے جو فرمایا، وہ آپ لوگوں نے سنا، اس کے باوجود اتنی کثرت سے آپ لوگ کیسے حدیثیں بیان کرتے ہیں؟ وہ لوگ ہنسے اور کہا اے بھتیجے جو کچھ ہم نے حضور سے سنا ہے وہ سب ہمارے پاس لکھا ہوا ہے۔

علاوہ ازیں خود حضور نے بہت سے احکام و مسائل سے متعلق حدیثیں املا کرائیں، چناں چہ آپ نے دیت کے مسائل لکھوا کے بھجوائے۔

قبیلہ جُہینہ کے پاس مردہ جانوروں کے احکام لکھ کر بھجوائے۔

اخیر ایام میں کثیر احادیث کا ایک صحیفہ لکھوا کر عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں یمن بھجوایا تھا، مختلف قوانین و احکام جو حضور علیہ السلام نے قبائل کے پاس بھیجے، معاہدات کی تحریریں، نماز، روزہ، سود، شراب وغیرہ کے مسائل وائل بن حجر کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لکھوائے تھے۔ (۱)

عہد نبوی میں کتابت حدیث سے متعلق ایک شبہے کا ازالہ

عہد رسالت میں کتابت حدیث کے سلسلے میں کچھ لوگوں کو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے شبہ ہوا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا تکتبوا عنی ،من کتب عنی غیر القرآن فلیمحه "(۲)

میری کوئی بات نہ لکھا کرو، جس نے بھی لکھا ہوا سے مٹا دے۔

شبہ یہ ہے کہ رحمت عالم ﷺ کی اس ممانعت کے سامنے کس کی جرأت ہوتی کہ وہ حدیث لکھتا، معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں کتابت حدیث نہیں ہوتی۔

اس حدیث کا جواب کئی طرح سے دیا گیا ہے:

اولاً: علما کو اس کی صحت میں کلام ہے، امام بخاری وغیرہ نے فرمایا کہ یہ در حقیقت حضرت ابو سعید پر موقوف ہے، یعنی ارشاد رسول نہیں ہے۔

۱: نزہۃ القاری شرح بخاری، ۱/۱۵-۱۶، دائرۃ البرکات، گھوسی۔

۲: مسلم شریف، ۲/۴۱۴

ثانیاً: بر تقدیر صحت علامہ ابن حجر نے اس کے متعدّد جوابات دیئے ہیں:

(۱) یہ ممانعت نزول قرآن کے عہد کے ساتھ خاص ہے۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ حدیث اور قرآن دونوں کو ایک ہی چیز پر مت لکھو۔

(۳) ممانعت کا حکم مقدم ہے یعنی بالکل ابتدائی دور میں تھا، بعد میں جب قرآن کے ساتھ حدیث کے التباس کا خطرہ نہ رہا تو احادیث لکھنے کی اجازت دے دی گئی۔

علامہ محمد بن علوی مالکی حسنی فرماتے ہیں:

"والحق أنه لاتعارض، وقد اجتهد كثير من أهل العلم فی الجمع بينهما، وأحسن ما أراه فی ذالك هو القول بنسخ احاديث النهی عن الكتابة" (۱)

حق یہ ہے کہ کتابت حدیث کے حکم اور کتابت حدیث سے ممانعت والی دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، اہل علم نے ان کے درمیان تطبیق کی بڑی کوشش کی ہے، میرے نزدیک اس سلسلہ میں سب سے اچھی بات یہ ہے کہ ممانعت والی حدیث منسوخ ہے۔

ایک جگہ اور فرماتے ہیں:

" وان ذالك كان فی صدر الإسلام خشية وقوع اللبس بين القرآن والحديث "(۲)

کتابت حدیث کی ممانعت ابتدائے اسلام میں اس خوف کی بنا پر تھی کہ کہیں قرآن وحدیث خلط ملط نہ ہو جائیں۔

یہ ساری تاویلیں اس لیے کرنے کی ضرورت پیش آئیں کہ سرکار ہی سے کتابت حدیث کی اجازت بھی مروی ہے، چنانچہ رافع بن خدیج سے مروی ہے کہ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم آپ سے کچھ چیزیں سنتے ہیں تو کیا ان کو لکھ لیا کریں؟ سرکار علیہ السلام نے فرمایا "اکتبوا و لا حرج" لکھ لیا کرو، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (۳)

اگر مذکورہ تاویلات نہ کی جائیں تو پھر ممانعت اور اجازت والی احادیث میں تعارض کا وقوع ناگزیر ہے۔

۱: نزہۃ القاری، ۱/۱۵-۱۶

۲: المنہل اللطیف فی اصول الحدیث الشریف، ص:۱۹ بحوالہ جامع الاحادیث، ۱/۶۵، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی

۳: المعجم الکبیر للطبرانی، ۴/۳۲۹ بحوالہ جامع الاحادیث، ۱/۱۶۹

حاصل کلام یہ کہ ممانعت ابتدائے اسلام میں تھی، بعد میں خود سرکار علیہ السلام ہی نے کتابت حدیث کی اجازت دے دی، لہٰذا محض ممانعت والی حدیث دیکھ کر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ سرکار کے عہد میں کتابت حدیث ہوئی ہی نہیں۔

عہد نبوی میں حفظ احادیث

اس امر کے اثبات کے بعد کہ عہد رسالت میں کتابت کے ذریعہ حفاظت حدیث کا اہتمام کیا گیا، آئیے عہد نبوی میں بروئے کار لائے گئے حفاظت حدیث کے دوسرے اہم ذریعہ ''حفظ'' کو بھی دیکھتے چلیں۔

جب نبی کریم علیہ السلام کوئی بات زبان فیض ترجمان سے صادر فرماتے تو صحابۂ کرام اسے بغور سنتے اور خود سرکار ہر بات کم از کم تین بار فرماتے تھے، چنانچہ بخاری شریف میں ہے:

''إنه كان إذا تكلم بكلمة اعادها ثلثاً حتى تفهم عنه''[1]

جب آپ کوئی بات کہتے تو تین بار اس کا اعادہ فرماتے یہاں تک کہ وہ سمجھ لی جاتی۔

حفظ حدیث کے تعلق سے صحابۂ کرام کس قدر سنجیدہ تھے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس ترتیب سے مختلف اشیا کا ذکر حضور نے فرمایا ہوتا، صحابۂ کرام اسی ترتیب سے اپنے تلامذہ کو بھی یاد کراتے اور خود یاد رکھنے کی کوشش کرتے تھے، کسی لفظ کا رہ جانا تو بڑی بات ہے، اگر کسی سے تقدیم و تاخیر ہوجاتی اور ترتیب بگڑ جاتی تو اس پر تنبیہ فرماتے تھے، چنانچہ اس سلسلے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ آپ کے سامنے کسی نے ان کی روایت کردہ حدیث ''بنى الإسلام على خمس الخ'' یوں پڑھا۔ ''الحج وصيام رمضان'' یعنی حج کو صیام پر مقدم کرکے پڑھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ٹوک دیا اور فرمایا ''لا! صيام رمضان والحج'' یوں نہیں، صیام رمضان پہلے اور حج بعد میں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام ارشادات رسول کس اہتمام سے یاد رکھتے تھے کہ الفاظ کی تقدیم و تاخیر بھی حافظے میں محفوظ رہتی، اور دوسروں کو اسی ترتیب سے یاد رکھنے کی ترغیب دیتے، حالاں کہ اس واقعہ میں الفاظ کی تقدیم و تاخیر سے معنیٰ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، مگر

۱: بخاری شریف، ۱/۲۰، باب من اعاد الحدیث ثلثاً۔

ارشادات رسول کی ترتیب بدل جاتی، یہ بھی حضرت ابن عمر کو گوارا نہ ہوا، تو پھر اس کی کہاں گنجائش کہ وہ رسول پر جھوٹ باندھیں۔ (۱)

پھر یہ بھی نہیں کہ ایک دفعہ سن لیا پھر اس کو یاد رکھنے کی کوشش نہیں کی، یا اس پر کوئی توجہ نہیں دی، بلکہ صحابہ کرام کی عادت کریمہ تھی کہ ارشادات رسول سننے کے بعد اسے اچھی طرح حفظ کرتے، پھر بار بار اس کا دور کرتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سنتے تھے، جب حضور مجلس سے تشریف لے جاتے تو ہم لوگ آپس میں اس کا دور کرتے، ایک دفعہ ایک شخص کل حدیثیں بیان کر جاتا، سب سنتے، پھر دوسرا، پھر تیسرا، کبھی کبھی ساٹھ ساٹھ آدمی مجلس میں ہوتے اور سب باری باری سناتے، جب ہم اٹھتے تو ہمیں حدیثیں اس طرح یاد ہوتیں گویا ہمارے دلوں میں بو دی گئی ہیں۔ (۲)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنا چشم دید حال بیان کرتے ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد صحابہ کرام مسجد نبوی میں بیٹھ کر قرآن وحدیث کا مذاکرہ کرتے۔ (۳)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کہیں بیٹھتے تو ان کی مجلس کا موضوع یا تو احادیث ہوتیں یا قرآن کا پڑھنا اور سننا ہوتا، اس کے باوجود کسی صاحب کا حافظہ اس بوجھ کو برداشت نہ کرتا تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر شکایت کرتے، اور حضور ﷺ ان کے حافظے کو اتنا قوی بنا دیتے کہ پھر وہ کوئی بات بھول نہ پاتے، جب کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کا واقعہ مشہور و معروف ہے۔

مذکورہ بالا چند واقعات حفظ حدیث کے سلسلے میں صحابہ کرام کی کوششوں کی بھرپور عکاسی ہو رہی ہے، مزید اور بھی مثالیں تاریخ کے صفحات کی امانت ہیں، طوالت کے خوف سے ہم اتنے پر ہی اکتفا کر رہے ہیں۔



۱: نزہۃ القاری، ۱/۲۱۔ ۲۲، مطبع سابق

۲: مجمع الزوائد، ۱/۱۶۱ بحوالہ نزہۃ القاری، ۱/۲۳

۳: المستدرک للحاکم، ۱/۹۴

عہد صحابہ میں کتابت حدیث

عہد نبوی میں حفاظت حدیث کے دو معتمد ذرائع حفظ اور کتابت کا بیان ہو چکا، تیسرے ذریعہ عمل بالحدیث کا بیان ہم بعد میں کریں گے، آئیے عہد صحابہ میں کتابت حدیث کا حال ملاحظہ کرتے چلیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کتابت حدیث کے سخت مخالف تھے، فرماتے ہیں، "قیدوا العلم بالکتابۃ" علم لکھ کر مقید کرلو۔ (۱)

حضرت انس نے محمود بن ربیع سے حضرت عتبان کی ایک طویل حدیث سنی تو اپنے صاحبزادے کو حکم دیا کہ اسے لکھ لو، صاحبزادے نے حکم کی تعمیل کی۔

حضرت ابان مشہور تابعی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ساگوان کی تختیوں پر حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ (۲)

حضرت سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جو احادیث سنتا لکھ لیتا، آپ ہی کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیثیں لکھا کرتے تھے، کاغذ بھر جاتا تو کسی اور چیز پر لکھتے۔ (۳)

صحابۂ کرام کی طرف منسوب احادیث کے مجموعے جنہیں ان کے تلامذہ نے جمع کیا وہ اس پر شاہد عدل ہیں کہ دور صحابہ و تابعین میں حدیث کی تدوین و کتابت موجود تھی، چنانچہ اس سلسلہ میں چند مجموعے یہ ہیں:

(۱) حضرت ابوہریرہ کی طرف تین مجموعے منسوب ہیں، بشیر بن نہیک کا مجموعہ، حسن بن عمرو بن امیہ کا مجموعہ اور ہمام بن منبہ کا مجموعہ، آخر الذکر مجموعہ سب سے زیادہ شہرت کا حامل ہے۔ (۴)

حضرت جابر بن عبداللہ کی طرف بھی کئی مجموعے منسوب ہیں، جن میں سے ایک مجموعہ اسماعیل بن عبدالکریم کے پاس تھا۔ (۵)

---

۱ : مسند دارمی، ۱/۱۷۴۳، دار المغنی للنشر والتوزیع، ریاض۔
۲: مسند دارمی، ۱/۳۳۴۴، دار المغنی للنشر والتوزیع، ریاض۔
۳ : مسند دارمی، ۱/۹۳۹۴، دار المغنی للنشر والتوزیع، ریاض، طحاوی، ۲/۳۸۴
۴ : جامع الاحادیث، ۱/۱۷۴۷، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف
۵ : شرح معانی الآثار، ۲/۳۰۴۔

دوسرا سلیمان لشکری کے پاس تھا۔[۱]

ایک صحیفہ حضرت جابر کے پاس تھا، اس صحیفے کے بارے میں حضرت قتادہ کا قول مشہور ہے کہ "مجھے سورۂ بقرہ کے مقابلہ میں صحیفۂ جابر زیادہ حفظ ہے"۔[۲]

علاوہ ازیں اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا صحیفہ صادقہ، حضرت انس بن مالک کا صحیفہ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صحیفہ خاص طور پر مشہور ہے۔

حضرت ابن عمر کی مرویات کو خاص طور پر نافع نے جمع کیا، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مرویات کو عروہ بن زبیر نے لکھ لیا تھا، حضرت جابر کی احادیث کو قتادہ نے لکھ لیا تھا، حضرت ابن عباس کی مرویات کو ان کے تلمیذ حضرت کریب نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔[۳]



عہد صحابہ میں حفظ حدیث

حضرت ابن عباس نے فرمایا:

"حدیثوں کا آپس میں مذاکرہ کرتے رہنا، دور کرتے رہنا، بار بار دہراتے رہنا اور ذہن میں حاضر رکھنا اگر ایسا نہ کروگے تو جاتی رہیں گی"۔

حضرت علی اپنے اصحاب سے فرماتے "احادیث ایک دوسرے سے بیان کرتے رہو، اگر ایسا نہ کروگے تو چلی جائیں گی"۔[۴]

ایک مرتبہ حضرت ابن مسعود نے اپنے تلامذہ سے پوچھا کہ تم لوگ آپس میں بیٹھ کر احادیث سنتے سناتے بھی ہو یا نہیں؟ تلامذہ نے جواب دیا جی ہاں ہم لوگ ایسا کرتے ہیں، اگر ہمارا کوئی ساتھی حاضر نہ ہو تو اگر کوفے کے آخری سرے پر ہوتا تو وہیں جا کر اس سے ملتے۔[۵]

۱: تہذیب التہذیب، ۲/۲۰۶

۲: جامع الاحادیث، ۱/۱۷۶

۳: نزہۃ القاری، ۱/۱۶۔۱۷

۴: المستدرک للحاکم، ۱/۹۵

۵: دارمی، ص: ۷۹

حضرت ابو سعید خزامی بھی آپس میں دورہ احادیث کرتے تھے، بلکہ ان کی تاکید یہ بھی تھی کہ احادیث بلفظہ یاد کی جائیں۔ (۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جن سے ۵۳۷۲ احادیث مروی ہیں، ایک دن مروان بن الحکم نے آپ کو بلا بھیجا، مروان کے سکریٹری ابوالزعزہ کا بیان ہے کہ مجھے پہلے ہی سے حکم مل چکا تھا کہ میں پردہ کے پیچھے بیٹھ کر جو کچھ وہ بیان کریں میں لکھتا جاؤں، بہر حال یہی ہوا، مروان مختلف انداز سے سوالات کرتے، اور حضرت ابوہریرہ احادیث کریمہ بیان کرتے جاتے، اور میں پس پردہ لکھتا جاتا تھا، یہاں تک کہ ایک اچھا خاصہ مجموعہ تیار ہو گیا، اس کے بعد حضرت ابوہریرہ چلے گئے، اور وہ مجموعہ بحفاظت رکھ دیا گیا، ابوالزعزہ بیان فرماتے ہیں کہ:

" فترکه سنة ،ثم ارسله إليه، وأجلسني وراء الستر، فجعل يسأله وأنا أنظر فى الكتاب فما زاد ولا نقص " (۲)

ایک سال کے بعد پھر مروان نے حضرت ابوہریرہ کو بلا بھیجا، اور مجھے پردہ کے پیچھے بٹھا کر ان سے سوالات کرنے لگا اور میں کتاب میں دیکھتا جاتا، تو نہ تو میں نے کوئی زیادتی دیکھی نہ ہی کمی۔

عہد صحابہ میں حفظ حدیث کے شاندار اہتمام کو ظاہر کرنے کے لیے یہی ایک مثال کافی ہے۔



عہد رسالت و عہد صحابہ میں عمل کے ذریعہ حفاظت حدیث

صحابۂ کرام رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال پر کس طرح عمل کرنے کی کوشش کرتے، اس سلسلے میں علامہ پیر کرم شاہ ازہری کا یہ بیان قابل دید ہے:

"ان کے دل کے ان لطیف احساسات سے لے کر جنہیں پابند الفاظ نہیں کیا جا سکتا ان کی طبعی خواہشات تک سب کے سب سنت مصطفوی کے پابند تھے، ان کی خلوتوں کا سوز

---

۱ : المستدرک للحاکم، ۱/ ۹۴

۲ : جامع الاحادیث، ۱/ ۱۸۶، مطبع سابق

وگداز، اور ان کی جلوتوں کے خروش عمل، ان کی شب بیداریاں اور ان کے قیلولے، سب فرمان نبوی کے تابع تھے، اور جو قول فعل سے ہر وقت ہمکنار رہے، وہ کیسے فراموش ہوسکتا ہے؟ اور وہ فرمان جس کے متعلق یقین ہو کہ اس کی تعمیل میں ہماری فلاح دارین ہے، اس کی یاد کے نقوش کیسے دھندلے پڑ سکتے ہیں؟ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو عشق تھا محبوب خدا سے، جو جنون تھا اس کے ہر ارشاد کی تعمیل کا، جو سودا تھا حصول علم کا، جو جذبہ تھا تبلیغ دین قیم کا، اس کے پیش نظر ایک اجنبی بھی پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ صحابۂ کرام نے حضور علیہ السلام کا ایک فرمان بھی فراموش نہ ہونے دیا ہوگا۔

ان کی اتباع رسول عبادات تک محدود نہ رہتی، بلکہ انہوں نے اپنے محبوب اور اپنے رب کے حبیب صلی اللہ علیہ ولم کی ہر عادت اور ہر ادا کو اپنانے کی کوشش کی، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خواہش ہوتی کہ ان کی نشست وبرخاست، ان کی گفتار، ان کا کردار، ان کا سونا اور جاگنا، اور ان کا کھانا پینا، سب حضور کے نمونے کے مطابق ہو، اگر کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلا دیکھا تو اس نے اپنے حبیب کی اس ادا کو اپنانا ہی اپنے لیے باعث سعادت سمجھا، اگر کسی نے حضور کو کسی بات کے بعد مسکراتے دیکھا، تو اس نے اپنے اوپر لازم کرلیا کہ وہ بھی اس بات کے بعد اپنے حبیب کی اتباع میں مسکرائے گا"۔ (۱)

صحابۂ کرام کے عمل بالحدیث کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت میسرہ بن یعقوب الطہوی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھڑے ہوکر پانی پیتے دیکھا تو عرض کیا کہ آپ کھڑے ہوکر پانی پی رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر میں کھڑے ہوکر پانی پیوں تو بھی ٹھیک ہے، کیونکہ میں نے حضور کو کھڑے ہوکر پانی پیتے دیکھا ہے، اور اگر میں بیٹھ کر پانی پیوں تو بھی ٹھیک ہے کیونکہ میں نے حضور کو بیٹھ کر پانی پیتے دیکھا ہے۔ (۲)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا ارشاد ہے:

۱: ضیاء النبی، ۷/۸۷، مطبع سابق

۲: ضیاء النبی، ۷/۹۱، مطبع سابق

"كنت أرىٰ أن باطن القدمين احق بالمسح من ظاهرهما، حتى رأيت رسول الله ﷺ يمسح ظاهرهما "(١)

میرے خیال میں قدم کے باطنی حصے مسح کے زیادہ کے لائق تھے قدم کے باطنی حصوں کی بہ نسبت، یہاں تک کہ میں نے سرکار علیہ السلام کو ظاہر قدم پر مسح کرتے ہوئے دیکھا (تو اپنی رائے بدل لی)۔

حضرت علی بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سواری کے لیے ایک جانور حاضر کیا گیا، آپ نے رکاب میں پاؤں رکھا تو پڑھا "بسم الله" جب آپ چوپائے پر سیدھے بیٹھ گئے تو پڑھا "سبحان الذی سخر لنا هذا وما كنا له مقرنين وإنا إلى ربنا لمنقلبون" پھر تین مرتبہ "الحمد لله" پڑھا اور تین مرتبہ تکبیر کہی اور پھر یہ کلمات پڑھے "سبحانك لا إله إلا أنت، قد ظلمت ظلمي نفسي فاغفرلي" اس کے بعد آپ مسکرائے، تو میں نے عرض کیا! امیر المؤمنین! آپ کے مسکرانے کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے حضور کو وہ کام کرتے دیکھا ہے جو کام میں نے ابھی کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد مسکرائے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مسکرانے کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا! بندہ جب "رب اغفرلی" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے، اور فرماتا ہے کہ میرے بندے کو یقین ہے کہ میرے بغیر کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں۔ (٢)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جو چیز حضور ﷺ سے سنتے یا آپ کے جس عمل کو دیکھتے وہ خود بھی ہو بہو اس کے مطابق عمل کرتے، نہ ذرہ برابر کمی کرتے اور نہ ذرہ برابر اضافہ کرتے۔ (٣)

حضرت مجاہد بیان فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر کر رہے تھے، دورانِ سفر آپ راستے سے ذرا ہٹ گئے، ہم نے عرض کیا کہ آپ نے اس طرح کیوں کیا؟ تو فرمایا کہ میں نے حضور کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

١ :السنة قبل التدوين، ص:٨٤، دار الفکر، بیروت، ١٩٨٠ء
٢ :السنة قبل التدوين، ص:٨٤۔٨٥، دار الفکر، بیروت، ١٩٨٠ء
٣ :السنة قبل التدوين، ص:٨٥، دار الفکر، بیروت، ١٩٨٠ء

آپ رضی اللہ عنہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک درخت کے پاس جب بھی جاتے، اس کے نیچے قیلولہ فرماتے اور لوگوں کو بتاتے کہ حضور بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔

آپ ہی سے عرض کیا گیا کہ صلوۃ سفر کا ذکر ہمیں قرآن میں نہیں ملتا، آپ نے فرمایا:

" إن الله عزوجل بعث إلينا محمداً ﷺ ولا نعلم شيئاً فإنما نفعل كما رأينا محمداً ﷺ يفعل "(۱)

اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف مبعوث فرمایا جب کہ ہم کچھ نہیں جانتے تھے، تو ہم ویسا ہی کرتے ہیں جیسا کہ ہم نے سرکار علیہ السلام کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کا بھتیجا بیٹھا ہوا تھا، اس نے ایک کنکر اپنی انگلی میں رکھ کر پھینکا، حضرت بن مغفل نے اسے منع کیا اور فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے، آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اس طرح کنکریاں پھینکنے سے نہ تو تم کسی جانور کا شکار کر سکتے ہو اور نہ ہی کسی دشمن کو مار سکتے ہو، یہ یا تو کسی کا دانت توڑے گی یا کسی کی آنکھ نکال دے گی، حضور کا ارشاد سننے کے باوجود ابن مغفل کا بھتیجا کنکریاں پھینکنے سے باز نہ آیا تو آپ نے فرمایا، میں تمہیں حضور کی حدیث سنا رہا ہوں، کہ آپ نے اس کام سے منع فرمایا ہے، اس کے باوجود تم دوبارہ کنکریاں پھینک رہے ہو، میں کبھی تمھارے ساتھ بات نہیں کروں گا۔(۲)

فتح مکہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ پر مسلمانوں کی قوت وشوکت ظاہر کرنے کے لیے مسلمانوں کا حکم دیا کہ وہ اپنے کندھوں کو کھلا رکھیں، اور طواف میں رمل کریں، اللہ تعالیٰ نے اسلام کو قوت وشوکت عطا کر دی تو کندھے کھولنے اور رمل کرنے کا سبب ختم ہو گیا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" فيم الرملان الآن، والكشف عن المناكب، وقد أطأ الله الأسلام، ونفى الكفر وأهله، ومع ذالك لاندع شيئا كنا نفعله على عهد رسول الله ﷺ "(۳)

---

۱ : السنۃ قبل التدوین، ص:۸۷، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۰ء
۲ : السنۃ قبل التدوین، ص:۸۷۔۸۸، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۰ء
۳ : السنۃ قبل التدوین، ص:۸۶۔۸۷، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۰ء

اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو شوکت دی، اور کفر واہل کفر کو ختم کر دیا تو اب رمل کرنے اور کندھا کھولنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، پھر بھی ہم کسی ایسی چیز کو چھوڑیں گے نہیں جسے عہد رسالت میں کیا کرتے تھے۔

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی سچی عقیدت کی واضح دلیل ہے۔ فرماتے ہیں:

" لست تارکا شیئاً کان رسول اللہ ﷺ یعمل بہ إلا عملتہ "(۱)

یعنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی عمل کو ترک کرنے والا نہیں ہوں۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا تو آپ کا پہلا جواب یہی تھا:

" کیف أفعل شیئاً لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "(۲)

میں ایسا کام کیسے کر سکتا ہوں جسے حضور علیہ السلام نے نہیں کیا ہے؟

وہ صحابۂ کرام جن کے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا معیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرنا یا نہ کرنا ہو، جن کو اپنے محبوب کے ذریعہ طے کردہ خطوط سے سرمو انحراف گوارا نہ ہو، جن کا سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا غرض کہ ہر عمل سنت رسول کے سانچے میں ڈھلا ہو، جو سنت رسول کی مخالفت پر اپنے قریبی رشتہ داروں سے بات کرنا ترک کر دیں، اور جن کی نگاہوں میں اپنے محبوب کی ایک ایک ادا کے نقوش ثبت ہوں، بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ ان سے سنت رسول کا کوئی گوشہ چھوٹ گیا ہو؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی حدیث رسول ان کے ذہن سے محو ہو جائے؟ یا کوئی حدیث یاد کر کے بھلا دیا ہو؟



عہد تابعین میں کتابت حدیث

عہد نبوی اور عصر صحابہ میں حدیث رسول کے حوالے سے جو کام ہوا تھا وہ باضابطہ

۱: فیوض الباری، ۱/ ۱۷۔ ۱۸، مکتبہ رضوان، لاہور۔

۲: فیوض الباری، ۱/ ۱۷، مکتبہ رضوان، لاہور۔

نہیں تھا، جس صحابی نے جو حدیث سنی جہاں مناسب سمجھا لکھ لیا، صحابۂ کرام کی طرف منسوب یا غیر منسوب جو صحائف تھے ان میں کوئی ترتیب وتہذیب نہ تھی۔

عہد تابعین کو حفاظت حدیث کا زرّیں دور کہا جاتا ہے، اس لیے کہ یہی وہ دور ہے جس میں مسلمانوں کو باضابطہ حدیث کی ترتیب وتدوین کا خیال ہوا، چنانچہ اس عہد کے خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ملت اسلامیہ کے ممتاز افراد کو حدیث کی ترتیب وتدوین اور ان کے لکھنے کا حکم دیا جن میں ابوبکر بن حزم قاضیٔ مدینہ، قاسم بن محمد بن ابوبکر، ابوبکر محمد بن مسلم المعروف بابن شہاب زہری اور سعد بن ابراہیم کے اسما قابل ذکر ہیں۔

صالح بن کیسان کہتے ہیں کہ میرا اور زہری کا زمانۂ طالب علمی میں ساتھ تھا، زہری نے مجھ سے کہا آؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں لکھیں، چنانچہ ہم دونوں نے حدیثیں لکھیں۔ (۱)

معمر نے کہا کہ امام زہری کی لکھی ہوئی احادیث کے ذخیرے کئی اونٹوں پر لادے گئے، آپ کی تصنیفات کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ جب ولید بن یزید کے قتل کے بعد روایات واحادیث کے صحائف ولید کے کتب خانے سے منتقل کئے گئے، تو صرف امام زہری کی مرویات وتصانیف گھوڑوں، گدھوں پر لاد کرلائی گئیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے والد جو مصر کے گورنر تھے، انہوں نے حضرت کثیر بن مرہ کو احادیث لکھنے کے متعلق لکھا، چنانچہ حضرت لیث بن مسعود کا بیان ہے کہ:

"حدثنی یز ید بن ابی حبیب أن عبدالعز یز بن مروان کتب إلی کثیر بن مرة الحضرمی ،وکان قد أدرك بحمص سبعین بدر یا من أصحاب رسول الله ﷺ ،قال لیث وکان یسمی الجندل الاول المقدم، قال فکتب إلیه أن یکتب ما سمع من أصحاب رسول الله ﷺ من أحادیثهم إلا حدیث أبی هر یرة فإنه عندنا" ۔(۲)

مجھ سے یزید بن ابوحبیب نے بیان کیا کہ عبدالعزیز بن مروان نے کثیر بن مرہ حضرمی

۱: کنز العمّال، ۵/ ۲۳۸

۲: السنة قبل التدوین، ص: ۳۷۳

کے پاس خط لکھا، جنہوں نے حمص میں ستر بدری صحابہ سے شرف لقا حاصل کیا تھا اور لیث کے بقول آپ کو جندل اول کہا جاتا تھا، ان کے پاس عبد العزیز نے لکھا کہ وہ اصحاب رسول سے سنی احادیث کو لکھ کر ان کے پاس ارسال کردیں سوائے حضرت ابوہریرہ کی احادیث کے، کیونکہ وہ ہمارے پاس ہیں۔

سعد بن ابراہیم بھی بہت بڑے عالم اور محدث تھے، مدینہ منورہ کے قاضی تھے، عمر بن عبد العزیز نے آپ سے بھی احادیث کے دفتر لکھوائے اور تمام بلاد اسلامیہ میں بھجوائے۔

ہشام بن الغار کا بیان ہے کہ عطا بن رباح تابعی (۱۱۴ھ) کو دیکھا کہ وہ حدیثیں بیان کرتے اور ان کے تلامذہ ان کے سامنے لکھتے جاتے۔ [۱]

ابو قلابہ نے وفات کے وقت اپنی کتابیں ایوب سختیانی کو دینے کی وصیت کی تھی، اس وصیت کے مطابق یہ کتابیں شام سے اونٹ پر لاد کر لائی گئیں، ایوب نے بتایا کہ اس کا کرایہ بارہ چودہ درہم دیئے تھے۔

حفظ حدیث اور تابعین

ہشام بن عبد الملک نے امام زہری کے حافظہ کا امتحان لینے کے لیے یہ طریقہ اپنایا کہ ایک دن آپ دربار میں کسی ضرورت سے آئے ہوئے تھے، اس نے خواہش ظاہر کی کہ شہزادے کے لیے کچھ حدیثیں لکھ دیں، آپ راضی ہوگئے اور آپ نے چار سو احادیث املا کرادیں، ایک ماہ بعد جب امام زہری دوبارہ پہونچے، ہشام نے کہا کہ آپ نے جو احادیث میرے شہزادے کو لکھ کر دی تھیں وہ تو ضائع ہوگئیں، آپ نے فرمایا تو پریشانی کی کیا بات ہے لاؤ پھر لکھوائے دیتے ہیں، غرض کہ آپ نے برجستہ پھر چار سو احادیث املا کرادیا، اب سنیے درحقیقت پہلا نسخہ ضائع نہیں ہوا تھا، بلکہ ہشام کی یہ ایک ترکیب تھی، جب امام زہری چلے گئے اور بعد میں لکھائی ہوئی احادیث کا پہلے کی لکھائی گئی احادیث سے مقابلہ کیا گیا تو ایک حرف بھی نہیں چھوٹا تھا۔ [۲]

۱: دارمی، ص:۶۹ بحوالہ نزہۃ القاری، ۱/ ۱۸، مطبع سابق۔

۲: تذکرۃ الخلفا، ۱/ ۱۸۷۔

امام زہری، علقمہ اور عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے منقول ہے کہ وہ ہمیشہ دور حدیث کی تاکید کرتے، اس کا اثر یہ تھا کہ مشہور محدثین کے یہاں دور حدیث کی مجلس رات بھر رہتی، عشا بعد شروع ہوتی تو نماز صبح پر ختم ہوتی۔ [۱]

یونس کہتے ہیں کہ ہم حضرت حسن بصری کے پاس سے حدیثیں سننے کے بعد آپس میں ان کا دور کرتے، یہاں تک کہ اسماعیل بن رجا کا یہ دستور تھا کہ دور کے لیے اگر کوئی نہیں ملتا تو مکتب کے بچوں کو جمع کرکے ان کے آگے حدیثیں پڑھتے تاکہ ضبط احادیث کی کوششوں میں ناغہ نہ ہو۔ [۲]



عہد تابعین کا ایک عظیم کارنامہ

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ حدیث کی باقاعدہ ترتیب وتدوین کا خیال مسلمانوں کو عہد تابعین میں ہوا، چنانچہ اسی عہد کے خلیفۂ صادق حضرت عمر بن عبدالعزیز کو امت مسلمہ صبح قیامت تک خراج تحسین پیش کرتی رہے گی، جن کی مساعی جمیلہ سے احادیث کی باقاعدہ تدوین عمل میں آئی۔

۱۰۰ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے والی مدینہ حضرت ابوبکر بن حزم کے نام یہ حکم بھیجا:

”انظر ما كان من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكتبه، فإني خفت دروس العلم وذهاب العلماء ،ولا تقبل إلا حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم ،وليفشوا العلم ،وليجلسوا حتى يعلم من لايعلم، فإن العلم لايهلك حتى يكون سرا“ [۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بھی حدیث تمہیں نظر آئے، اسے لکھ لو، کیونکہ مجھے

۱: دارمی، تہذیب التہذیب، ۱/۲۷۰۔

۲: نزہۃ القاری، ۱/۲۴۔

۳: سنت خیر الانام، ص: ۱۳۴۔۱۳۵ بحوالہ ضیاء النبی، ۶/۱۳۸، مطبع سابق

علم کے مٹنے اور علما کے ختم ہو جانے کا ڈر ہے، حدیث رسول ہی قبول کرنا، علم پھیلاؤ اور مجلسیں قائم کرو، تاکہ جو نہیں جانتا ہے جان لے، کیونکہ علم اس وقت تک ضائع نہیں ہوتا ہے جب تک کہ وہ راز نہ بن جائے۔

یہ حکم نامہ بلادِ اسلامیہ کے دوسرے حکام کی طرف بھی روانہ کیا گیا۔

"كذالك كتب إلى عماله فی أمهات المدن الإسلامية بجمع الحديث"[1]

اسی طرح اہم اسلامی شہروں کے عمال کی طرف بھی جمع احادیث کا حکم بھیجا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کی دعوت کے جواب میں سلطنت اسلامیہ کے تمام شہروں میں علما نے احادیث کی جمع و تدوین کا کام شروع کر دیا، مدونین کی جماعت کے سرخیل حضرت ابن شہاب زہری رضی اللہ عنہ تھے، جن کا کچھ ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ امام زہری کے علاوہ جن فرخندہ فال شخصیتوں نے اس عظیم کام میں اپنا تعاون پیش کیا ان میں چند ایک کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

مکہ مکرمہ: عبد الملک بن عبد العزیز (م ۱۵۰ھ)

مدینہ منورہ: امام مالک بن انس (م ۱۷۹ھ) محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ) اور محمد بن عبد الرحمن (م ۴۵۸ھ)

بصرہ: ربیع بن صبیح (م ۱۶۰ھ)

کوفہ: سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ)

یمن: عبد اللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ)

واسط: ہشیم بن بشیر (م ۱۸۳ھ)

رے: جریر بن عبد الحمید (م ۱۸۸ھ)

مصر: عبد اللہ بن وہب (م ۱۹۸ھ) (۱)

ان پاکباز شخصیتوں کی شبانہ روز کوششوں سے جابجا بکھری ہوئی احادیث یکجا ہوئیں، جنہیں مستقل کتابی شکل میں لکھا گیا، اس طرح احادیث میں خرد برد کا جو امکان تھا، ان

۱: سنت خیر الانام، ص: ۱۳۴-۱۳۵ بحوالہ ضیاء النبی، ۶/ ۱۳۸، مطبع سابق

بزرگوں کے اس کارنامے نے اس کا دروازہ کافی حد تک بند کر دیا تھا، اس عہد میں حدیث کی کئی کتابیں منظر عام پر آئیں، جن میں مؤطا امام مالک کی امتیازی شان مسلم ہے۔



کتب صحاح کی تدوین

متقدمین کی کتابوں میں صحیح وسقیم میں تمیز کیے بغیر احادیث درج کرنے کا جو رواج تھا اس سے امت مسلمہ کے لیے کئی مسائل پیدا ہوگئے تھے، کون حدیث مرتبۂ صحت پر فائز ہے، کون ضعیف ہے، متقدمین کی کتابوں میں اس کی صراحت نہیں تھی، اس لیے صحیح وضعیف بلکہ موضوع احادیث کو لے کر امت مسلمہ طرح طرح کی الجھنوں کا شکار ہو رہی تھی، علاوہ ازیں دشمنان اسلام نے موضوع اور ضعیف حدیثوں کا سہارا لے کر اسلام کی جڑیں کھودنی شروع کر دیں، ملت اسلامیہ کے علماے برحق نے بروقت اس خطرے کو بھانپ لیا، اور ایسی کتابوں کی ترتیب وتدوین کی طرف مائل ہوئے جن میں صرف صحیح احادیث کے درج کرنے کا التزام ہو، تاکہ عام مسلمان پورے اعتماد ویقین کے ساتھ ان صحیح احادیث کو اپنے لیے مشعل راہ بنا کر ان پر عمل پیرا ہوں، اور شرپسند عناصر کی دسیسہ کاریوں کا مکمل انسداد ہو جائے۔

وہ بڑی ہی سعید ساعت تھی جب امام بخاری کے استاذ حضرت اسحاق بن راہویہ نے اپنے شاگردوں کے سامنے اس ضرورت کا ذکر کیا اور فرمایا:

”لو جمعتم كتاباً مختصراً لصحيح سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم“[1]

کاش تم صحیح سنت رسول اللہ کی کوئی مختصر کتاب جمع کرتے۔

اپنے استاذ محترم کی یہ بات حضرت امام بخاری کے دل میں گھر کر گئی، اور انھوں نے استاذ مکرم کی خواہش کی تکمیل کے لیے ایک ایسے کام کا بیڑہ اٹھا لیا جس نے آپ کو رہتی دنیا تک ساری امت مسلمہ کا محسن بنا دیا، امام بخاری نے اپنی کتاب میں صرف انہیں احادیث کے جمع

۱: المنہل اللطیف للحدیث الشریف للعلامۃ المالکی العلوی، ص:۲۵، دار الفکر، بیروت، ۱۹۷۸ء

کرنے کا التزام کیا جو مرتبۂ صحت پر فائز تھیں، یعنی جو متّصل السند تھیں، ہر قسم کے علت وشذوذ سے پاک تھیں، جن کے رواۃ عادل اور تام الضبط تھے۔

امام بخاری کے بعد پھر کئی دوسرے لوگوں نے یہی کام کیا، جن میں امام مسلم خصوصی طور سے قابل ذکر ہیں۔

اب جب احادیث صحیحہ کتابی شکل میں مدون ہوکر منظر عام پر آگئیں تو اب ان میں خرد برد کا امکان ختم ہوگیا، کیونکہ اگر کوئی وضع حدیث کی کوشش کرتا تو ان صحیح کتابوں کی روشنی میں اس کا چہرہ بے نقاب ہوجاتا۔

اس طرح فتنوں کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا، احادیث نبویہ کے تعلق سے اب کسی ترمیم یا حذف واضافے کا کوئی امکان نہ رہا۔

روایت حدیث میں صحابہ اور دیگر ائمہ حدیث کا احتیاط

روایت حدیث کے سلسلے میں صحابہ کرام نے احتیاط کا جو نرالا انداز اپنایا تھا، اس کی نظیر ہمیں دور دور تک نہیں ملتی، چنانچہ حضرت ابوبکر و عمر کے احتیاط کا عالم یہ تھا کہ ان بزرگوں کے سامنے لوگ حدیث پڑھنے سے ڈرتے تھے، اگر کوئی پڑھ بھی دیتا تو یہ حضرات اس مقروء حدیث پر گواہ مانگتے، چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ دادی کی وارثت کے سلسلہ سے متعلق جب حضرت مغیرہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ حدیث پڑھی کہ دادی کا حصہ ۱/۶ (سدس) ہے، تو حضرت ابوبکر نے حضرت مغیرہ کی عظمت شان اور ان کی جلالت علم کی مطلق پروانہ کی، اور ان سے اس حدیث پر گواہ پیش کرنے کا مطالبہ، جب حضرت محمد بن مسلمہ نے اس حدیث پر گواہی دے دی تب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسئلہ دائرہ میں اس حدیث کو مستدل بنایا۔ (۱)

یوں ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب حضرت ابوموسیٰ اشعری نے یہ حدیث بیان کی کہ حضور کا ارشاد ہے کہ جو شخص تین دفعہ سلام کہے اور صاحب خانہ اندر جانے کی اجازت نہ دے تو وہ خواہ مخواہ اندر جانے پر مصر نہ ہو، بلکہ واپس لوٹ جائے، حضرت عمر نے

۱: المنہل اللطیف للحدیث الشریف للعلامۃ المالکی العلوی، ص: ۳۱، دار الفکر، بیروت ۱۹۷۸ء

اس حدیث کو اس وقت تک قبول نہ کیا جب تک کہ ایک دوسرے صحابی نے اس پر گواہی نہ دے دی، حضرت عمر نے اس شدت و سختی کی وجہ بھی بیان کر دی۔

قال عمر: "إنی لم أتهمك ولكنی خشيت أن يتقول الناس علی ربهم." [1]

اس سے میرا مقصود آپ (ابوموسیٰ اشعری) کو متہم کرنا نہیں، بلکہ اس خوف کے ناتے ہے کہ کہیں لوگ اپنے رب پر جھوٹ نہ باندھنے لگیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی اسی احتیاط پر عمل کیا گیا، چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:

"لا يحل لاحد يروی حديثا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم اسمع به فی عهد ابی بكر ولا عهد عمر" [2]

کوئی شخص ایسی حدیث روایت نہ کرے جسے میں نے شیخین کے عہد میں نہیں سنی ہے۔

حضرت امیر معاویہ جو اس خلافت امویہ کے بانی ہیں جن پر مستشرقین نے وضع حدیث کا الزام لگایا ہے، فرماتے ہیں:

" اتقوا الروايات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا ما كان يذكر منها فی زمن عمر، فان عمر كان يخوف الناس فی الله تعالی". [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کی روایات سے بچو، ہاں ان احادیث کی روایت کر سکتے ہو جن کا ذکر حضرت عمر کے عہد میں ملتا ہے، کیونکہ عمر اللہ کے سلسلہ میں لوگوں کو خوف دلایا کرتے تھے۔

حیرت ہے کہ جس عہد (بنی امیہ) کے لوگ روایت حدیث کے بارے میں اتنے محتاط ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کی روایت کردہ احادیث کے علاوہ کسی حدیث کو قبول کرنے کے روادار نہیں، وضع حدیث کو اس دور کا کارنامہ کہا جاتا ہے۔ [4]

1: سنت خیر الانام، ص:۱۰۸۔۱۰۹ بحوالہ ضیاء النبی، ۷/ ۹۸۔۹۹، مطبع سابق
۲: السنۃ قبل التدوین، ص:۹۷
۳: السنۃ قبل التدوین، ص:۹۸
۴: ضیاء النبی، ۷/ ۱۰۵

بعد کے ائمہ حدیث بھی اس احتیاط کا دامن ہمیشہ مضبوطی سے پکڑے رہے، چنانچہ حضرت امام مالک فرماتے ہیں:

” أدركت سبعين ممن يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو أوتمن واحد منهم على بيت مال لكان اميناً لم أخذ عنهم لانهم لم يكونوا من أهل هذا الشان“ (۱)

میں نے ستر ایسے لوگوں کو حدیث بیان کرتے ہوئے پایا کہ ان میں سے کسی کو بھی اگر بیت المال کا امین بنادیا جاتا تو وہ امانت داری کا مظاہرہ کرتا، پھر بھی میں نے ان سے حدیث صرف اس لیے روایت نہیں کی کہ وہ اس لائق نہ تھے۔

زیر نظر کتاب **انوار نبوت**

سلطان الاساتذہ، شیخ القرآن، حضرت علامہ عبداللہ خان عزیزی علیہ الرحمہ سابق صدر المدرسین وشیخ الحدیث دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی یوپی کی شخصیت جہان علم میں ایک لائق وفائق استاذ اورعظیم مفسرقرآن کی حیثیت سے متعارف ہے، تدریس آپ کا محبوب مشغلہ تھا،اسی کو آپ نے وظیفہ حیات سمجھا،اور اپنے دور کے قابل ترین اساتذہ میں شمار کیے گئے۔

تفسیر قرآن آپ کی دستارکرامت کا طرہ امتیاز تھی، اس فن میں اپنی مثال آپ تھے، میں نےلوگوں سےسنا تھا کہ آپ جب مدارک شریف اپنی لَے میں پڑھاتے تھےتو درس گاہ میں طلبہ نعرہ لگاتے تھے، پھر عمر کے آخری حصے میں جب ایک بار پھر علیمیہ جمدا شاہی میں تشریف لائے توکتاب مذکور ہی زیر تدریس آئی، آپ کی درس گاہ کے ٹھیک سامنے ہی میری بھی درس گاہ تھی، میں اکثر اپنی گھنٹی پڑھا کر آپ کی تدریسی تقریر سنتا، عالم ضعیفی میں جس ولولے کے ساتھ پڑھاتے تھے اسے دیکھ کر ہمیں رشک ہوتا، انداز خطیبانہ ہوتا، تفہیم قرآن میں ملکہ حاصل تھا،اس لیے اس طرح پڑھاتے کہ طلبہ جھوم اٹھتے۔

۱: المنہل اللطیف فی اصول الحدیث الشریف، ص:۳۲، مطبع سابق

فن تفسیر میں معارف التنزیل شرح مدارک التنزیل آپ کی عظیم علمی یادگار ہے۔

ابھی تک آپ لوگوں کی نظر میں ایک عظیم مفسر قرآن کی حیثیت سے معروف ہیں، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کو دوسرے علوم وفنون میں دسترس حاصل نہیں تھی، بلکہ آپ صحیح معنوں میں علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع تھے.

وہ وقت بڑا سعادت بخش تھا جب میرے خیال میں آیا کہ فن حدیث میں آپ کی اعلیٰ لیاقت وحذاقت کو اجاگر کیا جائے، آپ کے حدیثی افادات پر کام کیا جائے، اور اس فن میں بھی آپ کی گہرائی وگیرائی کو معرض ظہور میں لایا جائے۔

اس نہج سے مطالعہ شروع کیا، مقالات شیخ القرآن، مسائل سود اور آپ کے کچھ غیر مطبوع مضامین دیکھے، ان میں حدیث سے متعلق بہت سارے مواد ملے، کچھ دنوں تک مشکوۃ المصابیح آپ کے زیر درس رہی، آپ کے درس گاہی افادات الجامعۃ الاسلامیہ روناہی سے شائع ہونے والے ماہ نامہ "جامعہ" میں تسلسل کے ساتھ شائع ہوئے، میں نے اپنی اہلیت و رسائی کے مطابق ان افادات کو جمع کرنا شروع کیا، مختصر سے وقت میں محب گرامی حضرت مولانا غلام سید علی علیمی نظامی صاحب کے خصوصی تعاون سے سوا سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب تیار ہوگئی، مقدمہ لکھنا شروع کیا تو صفحات کی تعداد ڈیڑھ سو تک پہنچ گئی، فالحمد للہ علی منه وکرمه.

کتاب کی اشاعت کا مرحلہ آیا تو حضور شیخ القرآن علیہ الرحمہ کے سچے عقیدت مند، ان کے چہیتے اور معتمد عالی وقار جناب الحاج وصی الدین خان نورانی صاحب صدر اعلی دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی یوپی سے بات ہوئی، حسب امید آپ نے اشاعت کی ذمہ داری اپنے کندھے پر لے کر حضرت سے اپنی مخلصانہ عقیدت کا ثبوت پیش کیا۔

اس سے پہلے بھی حاجی صاحب نے زر کثیر خرچ کر کے حیات شیخ القرآن، مقالات شیخ القرآن اور مسائل سود کی اشاعت کروائی، جس کے لیے جملہ عقیدت

مندان شیخ القرآن آپ کے احسان مند ہیں، اللہ تعالیٰ حاجی صاحب کو سلامت رکھے اور مزید خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے۔

کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے ،مطالعہ فرماکر دعا کریں کہ رب کریم اس کار خیر کو قبول فرمائے۔



روزے کے فضائل و مسائل

فضائل:

حضور اکرم ﷺ نے روزے کے متعلق احادیث کریمہ میں جو تفصیلی بیان اپنی زبان نبوت سے ارشاد فرمایا اور ائمہ کرام نے ان کی روشنی میں جو مسائل مستنبط کیے ان کو پڑھ کر ایک مومن کی روح وجد میں آجاتی ہے، آپ کے ارشادات ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولَ اللّٰہ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «فِي الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ، مِنْهَا بَابٌ يُسَمَّى الرَّيَّانُ لَا يَدْخُلُهُ إِلَّا الصَّائِمُونَ" [مشکوۃ شریف، ص:۱۷۳]

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد نے بیان کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ان میں سے ایک کا نام "ریان" ہے، اس میں صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔

"ریان" کا لفظی معنٰی سیراب و سرسبز کے ہیں، چوں کہ روزہ دار اپنی دنیا کی زندگی میں بھوک و پیاس سے مرجھا چکا ہوتا ہے اور اس نے اپنے نفس کے تقاضوں کو خوشنودئ خدا کے لیے پورا نہیں کیا جس سے یک گونہ اس کے جسم میں گویا تازگی نہیں پائی جاتی رہی اس لیے اس کے اعجاز و تکریم کے لیے جنت میں داخل ہونے کا جو دروازہ مقرر کیا گیا اس کا نام "ریان" رکھا گیا، اس سے اشارہ ملا کہ اب جنت میں داخل ہو رہے ہو تو کبھی بھی بھوک و پیاس کی بے تابی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا بلکہ ہمیشہ خوشحالی و آسودگی کی زندگی گزارو گے۔

(۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہ صَلَّى اللّٰہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ، قَالَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ: إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ؛ يَدَعُ طَعَامَهُ وَشَهْوَتَهُ مِنْ أَجْلِي، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ، فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ، وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ، وَلَخُلُوفُ فِيهِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰہ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ-

[مشکوۃ، ص:۱۶۷]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کی ہر نیکی کا بدلہ دس سے سات سو گنا تک دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزے کا بدلہ اس سے الگ ہے، اس کا بدلہ میں خود دیتا ہوں، کیوں کہ وہ میرے ہی لیے ہے، میری ہی وجہ سے میرا بندہ اپنی نفسانی خواہش اور کھانے سے رکا رہتا ہے، روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک تو (دنیا میں) افطار کے وقت، دوسری (آخرت میں) اپنے پروردگار سے ملاقات کے وقت، روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

اس حدیث پاک سے حسب ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے:

الف۔ انسانی عمل کے درجے مختلف ہوتے ہیں اور اس نیک عمل کا اجر و ثواب اللہ کے خزانہ رحمت سے ملتا ہے، مگر اس اجر و ثواب میں اللہ تعالی اپنے بے پایاں رحمت سے اضافہ فرماتا ہے، اس کے یہاں ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہیں، بلکہ اس میں زیادہ فرما کر سات سو گنا تک اس کا ثواب عطا فرماتا ہے، مثلاً اگر کوئی شخص قرآن حکیم کی ایک آیت کریمہ تلاوت کرے تو اس کو سات سو آیتوں کا اجر مل سکتا ہے۔

لیکن روزے کے متعلق اللہ تبارک و تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ وہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کا بدلہ عطا کروں گا۔

آپ کے مزدور کارخانوں یا کھیتوں میں کام کرتے ہوں اور ان کے لیے آپ نے مزدوری مقرر کر رکھی ہو، اسی کے مطابق آپ کے کاموں کا ذمہ داران کو مزدوری دیتا رہتا ہو تو اس پر کسی مزدور کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ زیادتی کا مطالبہ کرے، کیوں کہ اس کو اس کا پورا حق مل رہا ہے، لیکن ایک مزدور ایسا ہو جس کے بارے میں آپ کی یہ ہدایت ہو کہ میرے سوا کوئی دوسرا اس کی مزدوری نہیں دے گا، وہ میرا ایک مخصوص آدمی ہے، بڑی محنت و جانفشانی کے ساتھ متعلقہ امور انجام دیتا ہے تو ایسا اجیر کتنا بڑا خوش قسمت ہو گا اور اس کو اپنی قسمت پر کتنا ناز ہو گا اس کا تصور آپ کر سکتے ہیں۔

میں نے یہ مثال اس حدیث پاک کی تفہیم کے لیے پیش کی ہے، اس کی روشنی میں اس حدیث پاک کے اس حصے کو آپ سمجھ سکتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

”روزہ کا بدلہ میں خود دیتا ہوں، یعنی دوسری نیکیوں کا بدلہ تو فرشتوں کے ذریعہ دلایا جائے گا، لیکن اس کا بدلہ خداے پاک خود عطا فرمائے گا“۔

آپ غور کرسکتے ہیں کہ وہ خداے پاک جس کے خزانہ رحمت میں کمی کا سوال نہیں آسکتا جب وہ دے گا تو کتنا دے گا کیا کوئی انسان اس کا تصور کرسکتا ہے۔

ب۔ اس حدیث پاک میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تبارک و تعالی فرماتا ہے: بندہ اپنی خواہشات اور کھانا پینا میری وجہ سے سے چھوڑ دیتا ہے، یعنی خداے پاک کی خوشنودی کے لیے اپنی بنیادی واصلی ضرورتوں کو رضاے الٰہی کے لیے روزے کے مخصوص اوقات میں چھوڑ دیتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بالکل ترک کر دیتا ہے، کیوں کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ہم چھوڑتے کچھ بھی نہیں بلکہ رمضان کے مہینے میں اوسط اخراجات دوسرے مہینوں کے بہ نسبت بڑھ جاتے ہیں، یہ اللہ تبارک و تعالی کا بے پایاں فضل واحسان ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں تاخیر کو” چھوڑنا“ قرار دے کر اپنے روزہ دار بندے کو بہت بڑے انعام کا مستحق بتایا۔

ج۔ اس حدیث پاک میں ارشاد فرمایا گیا کہ روزہ دار کو دو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں: ایک تو دنیا میں جب وہ روزہ کھولتا ہے، یہ خوشی ایسی ہوتی ہے جس کو ہر شخص جان سکتا ہے، انسان کی فطرت ہے کہ اگر اس کو کھانے کے لیے غذا میسر نہ آئے یا اس میں تاخیر ہو جائے اور پیاس کی شدت سے بے تاب ہو جائے ایسے عالم میں کھانے کے لیے سوکھی روٹی اور پینے کے لیے پانی مل جائے تو طبعًا وہ خوش ہوتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کو دنیا کی نعمتیں حاصل ہو گئی ہیں۔

اور دوسری خوشی قیامت کے دن حاصل ہوگی جب اس کو دیدار الٰہی کا شرف حاصل ہوگا، یہ ایسی نعمت ہوگی جس کا ادراک کامل سالکین الی اللہ، اولیاے کرام، خدا کے بزرگ ترین بندے ہی کرسکتے ہیں، اس کے مقابلے میں جنت کی ساری نعمتیں ہیچ ہیں، تجلیات ربانی کے ایک پرتو سے عقل انسانی ششدر و حیران ہو سکتی ہے، اور آخرت میں عین ذات کا مشاہدہ ہوگا، صفات کے جلوؤں سے بندہ بے تاب ہو سکتا ہے، لیکن یہ قدرت الٰہی کی کرم فرمائی ہوگی کہ روزہ دار کو عین ذات کا مشاہدہ ہوگا، اور وہ وہاں مسرور و شاداں ہوگا۔

د۔ ''اس حدیث پاک میں یہ بھی ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک روزہ دار کے منہ کی بو مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے''۔

خدائے پاک تمام چیزوں سے بے نیاز ہے، انسان کی نگاہ میں جو چیزیں پسندیدہ ہوتی ہیں تو وہ اس لیے ہوتی ہیں کہ اس کی طبیعت کے موافق یا اس کے لیے سود مند ہوتی ہیں، لیکن خدائے پاک کی بارگاہ میں بندوں کے متعلق چیزوں کی قدر وقیمت اس لیے ہوتی ہے کہ وہ چیزیں خدا کی رضا وخوشنودی کی وجہ سے وجود میں آئی ہیں، چونکہ روزہ دار اپنے روزے کے ذریعہ اللہ کی رضا چاہتا ہے اس لیے ایسی حقیر چیز جس سے انسان کے اندر نفرت پیدا ہو سکتی ہے یا اس سے طبعی تکدّر حاصل ہو سکتا ہے وہی چیز اللہ کی نظر میں وہ مقام حاصل کر لیتی ہے جو انسانوں کے نزدیک دنیا کی تمام خوشبوؤں کے مقابلے میں مشک کا ہے۔

آپ غور فرمائیے یہ بلند درجہ کس کو مل رہا ہے، کسی کی نیکی کو نہیں مل رہا ہے بلکہ ایسی چیز کو مل رہا ہے کہ جس کے خیال سے آپ کی طبیعت کے اندر انقباض پیدا ہو سکتا ہے، یہاں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ایک حقیر شی جس کا تعلق بندے سے ہے اور وہ اللہ کی رضا کی راہ پر چل رہا ہے وہ بھی خدا کی نگاہ میں پسندیدہ ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو - رضي الله عنه أَنَّ رَسُولُ الله - صلى الله عليه وسلم - قَالَ: "الصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ، يَقُولُ الصِّيَامُ: أَيْ رَبِّ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ، وَيَقُولُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ، قَالَ: فَيُشَفَّعَانِ "[مشکوۃ،ص:۱۷۳]

عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ روزہ اور قرآن مجید بندے کی شفاعت کریں گے، روزہ کہے گا: اے پروردگار! میں نے دن کے وقت اس کو کھانے پینے اور نفسانی خواہشات کے پورا کرنے سے روک رکھا تھا تو اب اس کے حق میں تو میری شفاعت کو قبول فرما، قرآن کہے گا: میں نے اس کو رات کے وقت نیند سے روک رکھا تھا اس لیے اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما، تو ان دونوں کی شفاعت قبول کر لی جائے گی۔

اس حدیث پاک میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن روزہ دار کے حق میں روزہ اور قرآن مجید کی شفاعت اللہ تبارک و تعالی قبول فرمائے گا، قیامت کا دن ایسا دن ہو گا کہ خدائے پاک کے مقرب بندے اس کے قہر و جلال سے لرزاں و ترساں ہوں گے، انبیائے کرام اور اولیائے عظام بھی ایسی ہولناک گھڑی میں نفسی نفسی پکارتے ہوں گے اور خدائے پاک کی عظمت و جلال سے سہمے ہوں گے، عام انسان اپنے گناہوں کی وجہ سے عجیب خوف ودہشت کے عالم میں ہوں گے، یہ سورج جس کی تپش آج اتنی دور سے پریشان کیے دیتی ہے، اس دن بالکل سر پر کھڑا بھیجا کھولا رہا ہو گا، ایسے نازک وقت میں قرآن حکیم اور روزہ دونوں اس کی شفاعت کریں گے، اور روزہ دار کو اس کی لغزشوں اور گناہوں سے بخشوائیں گے۔

چند ضروری مسائل:

اللہ تبارک و تعالی نے مریض و مسافر کو رخصت دی ہے کہ اگر اس کو رمضان المبارک میں روزہ رکھنے سے مرض کی زیادتی یا ہلاکت کا اندیشہ ہو یا سفر میں شدت و تکلیف ہو تو وہ مریض سفر کے ایام میں افطار کرے اور بجائے اس کے ایام منہیہ کے سوا اور دنوں میں اس کی قضا کرے، ایام منہیہ پانچ دن ہیں جن میں روزہ رکھنا جائز نہیں، دونوں عیدین اور ذی الحجہ کی گیارہویں، بارہویں، تیرہویں تاریخیں۔

مسئلہ:

(۱) مریض کو محض وہم پر روزے کا افطار جائز نہیں جب تک دلیل، یا تجربہ، یا غیر ظاہر الفسق طبیب کی خبر سے اس کا غلبہ ظن حاصل نہ ہو کہ روزہ مرض کے طول یا زیادتی کا سبب ہو گا۔

(۲) جو بالفعل بیمار نہ ہو لیکن مسلمان طبیب یہ کہے کہ وہ روزہ رکھنے سے بیمار ہو جائے گا وہ بھی مریض کے حکم میں ہے۔

(۳) حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو اگر روزہ رکھنے سے اپنی یا بچے کی جان کا یا اس کے بیمار ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس کو بھی افطار جائز ہے۔

(۴) جس مسافر نے طلوع فجر سے قبل سفر شروع کیا اس کو تو روزے کا افطار جائز ہے لیکن جس نے بعد طلوع سفر کیا اس کو اس دن کا افطار جائز نہیں۔

(۵) جس بوڑھے مرد یا عورت کو پیرانہ سالی کے ضعف سے روزہ رکھنے کی قدرت نہ رہے اور آئندہ قوت حاصل ہونے کی امید بھی نہ ہو اس کو شیخ فانی کہتے ہیں، اس کے لیے جائز ہے کہ افطار کرے اور ہر روزے کے بدلے نصف صاع یعنی ۲/ کلو ۴۵/ گرام گیہوں، یا گیہوں کا آٹا یا اس کے دونے جو یا اس کی قیمت بطور فدیہ دے۔

(۶) اگر فدیہ دینے کے بعد روزہ رکھنے کی قوت آگئی تو روزہ واجب ہوگا۔

(۷) اگر شیخ فانی نادار ہو اور فدیہ دینے کی قدرت نہ رکھے تو اللہ تبارک و تعالی سے استغفار کرے اور اپنے عفو تقصیر کی دعا کرتے رہے۔

(۸) مسافر اور مریض کو اگرچہ افطار کی اجازت ہے لیکن زیادہ بہتر و افضل روزہ رکھنا ہی ہے۔

(۹) جنابت روزے کے منافی نہیں، جس شخص کو بحالت جنابت صبح ہوئی تو غسل کر لے اس کا روزہ جائز ہے۔

(۱۰) بحالت روزہ خورد و نوش، مجامعت میں سے ہر ایک کے ارتکاب سے کفارہ لازم ہو جاتا ہے۔

(۱۱) رمضان کی راتوں میں روزہ دار کے لیے جماع حلال ہے جب کہ وہ معتکف نہ ہو۔

(۱۲) اعتکاف میں عورتوں سے قربت اور بوس و کنار حرام ہے۔

(۱۳) مردوں کے اعتکاف کے لیے مسجد ضروری ہے۔

(۱۴) عورتوں کا اعتکاف ان کے گھروں میں جائز ہے۔

(۱۵) اعتکاف ہر ایسی مسجد میں جائز ہے جس میں جماعت قائم ہو۔

(۱۶) اعتکاف میں روزہ شرط ہے۔

(۱۷) تحقیق یہ ہے کہ افطاری کی دعا روزہ کھولنے کے بعد پڑھیں، دعا کے بعد روزہ کھولنا خود الفاظ دعا کے خلاف ہے۔

دعاے افطار یہ ہے:

أَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ، فَاغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَأَخَّرْتُ-

اخوت اسلامی کا احترام

حضور اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ ایک مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کو اپنے قول وفعل سے اذیت پہنچائے، اس لیے کہ ایک مسلمان کی شخصیت خواہ اس کا تعلق کسی ملک اور قوم سے ہو نہایت ہی قابل احترام ہے، اس کے ساتھ سلوک وبرتاؤ کے لیے کچھ ایسے طریقے ہیں جن کی رعایت ہر حال میں مسلمان پر لازم ہے، آپ نے بہت سی ایسی باتوں سے منع فرمایا جو تلخ کلامی اور موجب لعن وطعن ہوا کرتی ہیں، جن سے مسلمانوں میں باہمی نفرت وعداوت کے جذبات ابھرتے ہیں، اور بہت سے ایسے امور بھی آگاہ فرمایا جن سے ایک مسلمان کو قصداً ضرر پہنچ جاتا ہے، انھیں چیزوں میں سے ایک امر راستوں میں پیشاب یا پاخانہ کرنا، اور لوگوں کے آنے جانے کی راہ میں غلاظتوں کا ڈالنا بھی ہے، مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اتَّقُوا اللَّعَّانَيْنِ"، قَالُوا: وَمَا اللَّعَّانَانِ يَا رَسُولَ الله؟ قَالَ: الَّذِي يَتَخَلَّى فِي طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ فِي ظِلِّهِمْ "۔(صحیح مسلم، حدیث: ۲۶۹)

تم لوگ ایسی دو چیزوں سے بچو جو باعث لعنت ہو، آپ سے دریافت کیا گیا کہ وہ کون سی ایسی دو چیزیں ہیں جو موجب لعنت ہوتی ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے راستے میں یا ان کے سایے میں قضاے حاجت ہے۔

اس ارشاد سے صاف ثابت ہوا کہ جب کوئی شخص لوگوں کی آمدورفت کی جگہوں میں قضاے حاجت کرتا ہے تو اس سے ان میں سخت نفرت وبیزاری پیدا ہوتی ہے، جس سے لوگ اس کے اوپر لعنت بھیجتے ہیں۔

اس لیے ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ایسی کوئی حرکت نہ کرے جس سے وہ لعنت کا مستحق ہو جائے، لیکن یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کسی پر لعنت کرنے میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے، اس لیے فقہاے کرام نے لعنت شخصی کو ناجائز

قرار دیا، البتہ کسی کو اس کے برے اوصاف کے بنا پر انھیں اوصاف کے ذریعہ اس کے اوپر لعنت کی جاسکتی ہے، چنانچہ ظالم وفاسق وکافروں جھوٹوں پر قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کی لعنت آئی ہے، یعنی جو شخص ان اوصاف واعمال کے ساتھ متّصف ہوگا وہ اپنے آپ کو ملعون کے زمرے میں داخل کرلے گا، اور وہ اپنے اوپر لعنت کا دروازہ کھول لے گا، اس لیے کہ یہ ایسی چیز ہے جو انتہائی نفرت و حقارت کے وقت وجود میں آتی ہے، اسی وجہ سے ہر مسلمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھلائی کی راہ تلاش کرے تاکہ نیک کاموں پر عمل کر کے نجات وسعادت کا مستحق ہو جائے، اور یہ ایسے کام سے اجتناب کرے جو دوسروں کے لیے پریشانی و مشقت کا باعث ہو ،اس طرز عمل سے سماج اور معاشرے کے افراد کو خوشی اور شادمانی حاصل ہوتی ہے، اور لوگوں میں محبت اور باہمی ربط اجاگر ہوتا ہے، جو اسلام کے خصوصی امتیازات میں سے ہے،"انما المؤمنون إخوة"۔

دوسرے یہ کہ کسی مسلمان کے خلاف آ لۂ جارحہ مثلاً لوہا وغیرہ اٹھانا جس سے اس کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو یا قصداً اس کو مارنے یا قتل کرنے کا ارادہ ہو سخت ممنوع ہے، اسلام نے سختی کے ساتھ منع کیا ہے کہ کسی مسلمان کو قتل کیا جائے یا اس کو دھمکایا جائے یا اس کو معمولی اذیت پہنچا کر کبیدہ خاطر کیا جائے، یہ حرکت ایک مسلمان کے شایان شان نہیں، جب کوئی شخص شریعت اسلامی کا دامن تھامے ہوئے ہے تو اس کو اللہ کی جانب سے امن وسلامتی کا ایسا پروانہ مل جاتا ہے کہ کسی طرح کی کوئی زیادتی اس کے ساتھ نہیں کی جاسکتی ،نہ تو اس کو ڈرایا دھمکایا جا سکتا ہے نہ ہی اس کو کسی طرح سے کوئی نقصان پہنچایا جاسکتا ہے، یعنی اس کے ساتھ معمولی بدسلوکی بھی روا نہیں رکھی جاسکتی، کیوں کہ اسلام نے اس کو رشتہ اخوت میں منسلک کر دیا ہے کہ اسلامی کنبے کے ہر فرد پر اس برادرانہ رشتہ کا پاس ولحاظ ضروری ہے۔

لیکن یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ اس رشتہ اخوت کو مسلمان محسوس نہیں کرتے، کیوں کہ اسلامی تعلیم ان کے دل کی گہرائیوں میں گھر نہیں کیے ہوتی اور نہ وہ اس کے

اوپر عمل پیرا ہوتے ہیں، اس لیے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے قول وفعل سے اذیتیں پہنچتی رہتی ہیں، ہمارے اسلاف کرام جو براہ راست مشکوٰۃ نبوت کے نور سے اپنے دلوں کو روشن کیے ہوئے تھے انہوں نے اسلامی اخوت کو اپنے دل کی گہرائیوں میں اس طرح اتار لیا کہ وہ کبھی بھی اس رشتہ سے صرف نظر نہیں کرتے تھے۔

اسلامی برادرانہ رشتہ کو واضح کرنے کے لیے تاریخ اسلام کا صرف ایک عظیم الشان واقعہ اس موقع سے ذکر کرنا کافی ہوگا، جب صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کثیر تعداد میں ہجرت کرکے تشریف لے گئے ،تو اس دارالاسلام کی چھوٹی سی آبادی میں بہت سے اقتصادی ومعاشی، سماجی ومعاشرتی مسائل اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن شمع رسالت کے پروانوں نے ان کو ایسے اسلوب وحسین انداز سے حل کیا کہ اقوام و ملل کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، زبان نبوت میں ذرا سی جنبش ہوئی اور ارشاد فرمایا گیا کہ تم سب اس رشتۂ اسلامی سے منسلک کردیے گئے ہو، اور تم سب کو میں ایک دوسرے کا بھائی قرار دیتا ہوں، آپ کے زبان فیض ترجمان سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہی انصار نے مواخات کا عدیم النظیر کارنامہ یہ انجام دیا کہ وہ اور مہاجرین ایک دوسرے سے گلے مل کر بھائی بھائی ہو گئے، اور انصار نے اپنی جائیداداور اپنی تمام ملکیتوں کو دو حصوں میں تقسیم کردیااور مہاجرین کو اس کا نصف حصہ بڑی فراخدلی اور وسعت قلبی کے ساتھ ادا کردیا، بلکہ معاملہ اسی حد تک محدود نہیں رہا ،اس کے آگے بڑھ کر ان فرشتہ صفت انسانوں نے اپنی انسانیت دوستی کا مظاہرہ یوں کیا کہ اگر کسی انصار کے پاس دو بیویاں تھیں تو ایک کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی سے اس کا عقد کر دیا، آناً فاناً تمام معاشی دشواریوں، معاشرتی مسائل پر قابو پالیا گیا۔

عصر حاضر میں مہاجرین یا ترک وطن کرنے والے شرنار تھیوں کا ایک پیچیدہ مسئلہ دنیا کے سامنے پایا جاتا ہے، بین الاقوامی ادارے، سرمایہ دار ممالک اور اس کے مفکرین اس مسئلے کو حل کرنے میں عاجز و درماندہ نظر آتے ہیں، دنیا کے مختلف

گوشوں میں لاکھوں انسان بے آسرا و بے سہارا پڑے ہوئے ہیں، انسانیت بھوک وپیاس اور اقتصادی بدحالی وزبوں حالی سے سسکتی ہوئی نظرآتی ہے، لیکن اگر انسانیت دوستی کے جذبے کو انسانوں کے دلوں میں پیدا کردیا جائے، تو ترک وطن کرنے والے مہاجرین کے مسائل یا شرنارتھیوں کی پریشانیاں بغیر کسی دقت کے تھوڑے ہی عرصے میں دور کی جاسکتی ہیں، کم ازکم امت مسلمہ کے افراد ہی اپنی اخوت اسلامی کا جذبہ دلوں میں رکھتے ہوئے دنیا کے مختلف علاقوں میں بے یارومددگار پڑے ہوئے ترک وطن کرنے والے مسلمانوں کے مسائل، ان کی موجودہ دشواریاں اور ان کے مصائب کا بہت حدتک مداوا کرسکتے ہیں۔

اسی ایک تاریخی واقعے سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اسلامی تعلیم انسانیت کو کتنی بلندی پر لے جانا چاہتی ہے، اور کیسا فراخدلانہ، فیاضانہ اخلاق کے جذبے کو ابھارنا چاہتی ہے، ایک عرب سیاح امریکی سماج کے ایک واقعے کو ذکرکرتا ہے کہ میں نے امریکہ میں اپنے نومسلم بھائیوں سے ملاقات کی اور انہیں میں سے ایک کے ہمراہ ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گیا، وہاں عشا ومغرب کے درمیان مسلمانوں سے مختلف مسائل پر گفتگو ہوئی، اس کے بعد درس قرآن کا ایک جلسہ منعقد کیا گیا ،جلسے کے جتنے حاضرین تھے سب نے اپنے نومسلم بھائی کا کھڑے ہوکر استقبال کیا، مصافحہ و معانقہ کیا،دعائیہ کلمات کے بعد" اھلا وسھلا" کے الفاظ سے مبارکباد پیش کی، جب ہمارے اس نومسلم بھائی نے مسلمانوں کے خلوص اور ان کی گرمجوشی اور اسلامی برادرانہ رشتہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو اپنے اوپر قابو نہ پاسکا اور بے ساختگی میں رونے لگا، تمام مسلمانوں کو اس پر حیرت ہوئی کہ آخر بات کیا ہے؟ ہم لوگ تو ان سے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آئے تو پھر آخر وہ کیوں کررو رہے ہیں؟ ایک صاحب نے جرأت کرکے دریافت کیاکہ آپ کے رونے کا سبب کیا ہے، تو انھوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ اس اسلامی ماحول میں ایسا محسوس کیا کہ میں اس کو الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا، آج پہلی بار میں نے اسلامی برادرانہ رشتہ

کو محسوس کیا، اور میرے اوپر یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ مذہب اسلام کتنی بلندی پر دنیا ے انسانیت کو پہنچانا چاہتا ہے، میں نے پوری زندگی امریکی معاشرے میں گزار دی، لیکن جس گرم جوشی اور جیسی محبت اور خلوص اور جیسی بھائی چارگی اور جیسی انسانیت و یگانگت آج میں نے محسوس کی ایسی کبھی بھی امریکی معاشرے میں نہیں پایا، اس سے میں نے یہ یقین کیا کہ پوری انسانیت کا نجات دہندہ اور امن وسلامتی کا پیغامبر، صلح و آشتی کا معلم اگر کوئی مذہب اس صفحۂ ہستی میں پایا جاتا ہے، تو وہ اسلام ہے، اور صرف اسلام ہے، اسی ایک واقعے سے یہ درس عبرت ملتا ہے کہ ہم کسی سماج یا کسی ماحول میں زندگی گزاریں یا کیسے ہی مایوس کن حالات ہوں اگر ہم اسلامی تعلیم کو اس کے تمام پہلوؤں اور جوانب کے ساتھ بروئے کار لائے تو ہماری بہت سے تکلیفوں اور مصیبتوں کا مداوا ہوسکتا ہے،اور ہمارے احترام انسانیت کو دیکھ کر دوسری قومیں ہمارا احترام کرنے پر مجبور ہو جائیں گی، ہمارے اخلاق کا دائرہ صرف گھریلو زندگی تک یا صرف اپنے لوگوں پر محدود نہیں رہنا چاہیے، بلکہ اس میں اتنی وسعت و گنجائش ہونی چاہیے کہ دوسری قومیں ہمارے عمل و کردار کو دیکھ کر نفرت وحقارت کے بجائے عزت و وقار کے ساتھ پیش آئیں، لیکن ہماری بنیادی کمزوری یہ ہے کہ دوسری قوموں کو تو چھوڑیئے خود اپنے لوگوں کے ساتھ اچھے سلوک و برتاؤ کے ہم روادار نہیں ہیں، حالاں کہ احترام مسلم ہر ایک پر لازم ہے،جو اسلام کا دعویٰ کرتا ہو، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’لا يحل دم امرئ مسلم الا باحدى ثلاث :الثيب الزاني، والنفس بالنفس، والتارك لدينه المفارق للجماعة‘‘۔(صحیح بخاری، حدیث: ۶۸۷۸)

کسی مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں ہے،ہاں تین باتوں سے حلال ہو سکتا ہے: ایک یہ کہ شادی شدہ ہو کر زنا کا مرتکب ہو، دوسرے یہ کہ بلاسبب کسی کو قتل کر ڈالے ،تیسرا یہ کہ مرتد ہوکر مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے۔

روے زمین پر کوئی ایسا مذہب نہیں پایا جاتا ہے جو اپنے ماننے والوں اور

پیروکاروں کو اتنی عزت واحترام کی زندگی عطا کرتا ہو،اسلام کا مقصود صرف یہ نہیں کہ خدائے قدوس کی عبادت و بندگی کے چند طریقوں پر عمل کرلیا جائے اور اس کے بعد دوسرے حقوق و واجبات سے کنارہ کشی اختیار کرلی جائے، بلکہ وہ ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری، آپس میں ایک دوسرے کے احترام ،انسان کی جان کی حفاظت وصیانت کو بھی لازم کرتا ہے، لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے کہ انسان کے باطن میں انقلاب پیدا کیا جائے، اور اسلامی رشتہ کا احساس و شعور اس کے دل و دماغ پر ایسا مسلط ہوجائے کہ اس کے اثرات ظاہر پر بھی نمایاں ہوں۔

حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پرایک عالمی منشور پوری انسانیت کے لیےارشاد فرمایا تھا ،اگر اس کو غور سے پڑھا جائے اور اس پرعمل کرنے کی کوشش کی جائےتو دنیا کو امن و سلامتی کا پیامبر بنانے کی صلاحیت ہمارے اندر پیدا ہوسکتی ہے ،آپ نے ارشاد فرمایا:

’’ان دماءکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا في شهرکم هذا في بلدکم هذا‘‘- [بخاری شریف،۱/۱۱۸]

بے شک تمھارے خون و مال اورتمھاری عزت و آبرو تمھارے اوپر حرام ہیں ،جیسا کہ تمھارا یہ دن اس مہینے میں اس شہر میں محترم ہے۔

عالمی منشور کےاس حصے کے نکات حسب ذیل ہیں :

[الف] ”ای یوم هذا “؟یہ کون سا دن ہے؟ کیا سرکار کو معلوم نہیں تھا کہ آج جمعہ مبارکہ کا دن ہے، لوگوں نے جواب میں کہا، عید تکبیر کا دن ہے، آپ نے پھر پوچھا:ای شهر هذا “؟ یہ کو ن سا مہینہ ہے؟کیا آپ کو نہیں معلوم تھا کہ ذوالحجہ کا مہینہ ہے،صحابۂ کرام نے جواب میں عرض کی کہ ذوالحجہ کا محترم مہینہ ہے،پھر آپ نے دریافت فرمایا:”ای بلد هذا “؟ یہ کون سا شہر ہے ؟کیا حضور کو معلوم نہیں تھا کہ مکہ معظمہ ہے ،لوگوں نے جواب میں کہا کہ اللہ کا محترم گھر کعبہ معظّمہ ہے۔

نبی امی فداہ ابی وامی کوسب کچھ معلوم تھا، آپ کا سوال برائے طلب علم

نہیں تھا، بلکہ یہ سوال تقریری تھا، یعنی اس دن اور اس مہینے اور اس مقدس شہر کی اہمیت و عظمت واضح کرکے یہ بتانا مقصود تھا کہ جو فرمان میں تمھارے سامنے پیش کر رہا ہوں ،اس کی عظمت و بڑائی کو تمہیں محسوس کرنا چاہیے، اور یہ پیام رحمت تمام شک و شبہات سے بالاتر ہے۔

[ب] تقریبًا ایک لاکھ کے مجمع میں یہ عالمی منشور پیش کیا جارہا تھا اور اس کا اسلوب بیان نہایت ہی نرالا اور انوکھا تھا، کیوں کہ یہاں یہ تشبیہ دی گئی کہ جس طرح تمھارا یہ دن لائق احترام،تمھارا یہ مہینہ قابل احترام، تمھارا یہ مقدس شہر عظمت و بڑائی کا منبع ہے، اسی طرح انسان کی جان و مال، عزت وآبرو بھی لائق صد احترام ہے، ظاہر ہے کہ اس موقع پر جو مجمع موجود تھا اس کے دل میں وہ مہینہ، وہ دن ،وہ شہر باعظمت اور نہایت ہی محترم تھا، اگر ان کے دلوں میں اس کے احترام میں کوئی کمی ہوتی تو دور دراز کی مسافتیں طے کرکے یہاں کیوں آتے؟۔

حضور اکرم ﷺ نے اس انوکھے اسلوب بیان یا تشبیہ بلیغ سے یہ حقیقت واضح کی کہ اگر تم اس دن کا احترام کرتے ہو، اور اس میں غلط کاریوں کے مرتکب نہیں ہوتے ہو، اگر تمھارے قلوب میں اس مہینے کی عظمت پائی جاتی ہے، اور تم قتل وقتال اور جنگ و جدال سے اس مہینے میں باز رہتے ہو ،اور اگر تمھارے دل کے گوشوں میں خانۂ کعبہ کا جلال و جبروت پایا جاتا ہے، اور تم اپنی نگا ہ عرفان سے تجلیات الٰہیہ کی بارش دیکھ رہے ہو، تو تمھارے اوپر لازم ہے کہ ان سب احتراموں کے ساتھ اپنے دل میں اخوت اسلامی کا جذبہ اس طرح بیدار رکھو کہ کبھی بھی کسی صورت میں کسی کے خون سے اپنے دامن کو آلودہ نہ ہونے دو، کسی کے مال کو غصب کرکے اپنی انسانیت کو بھینٹ نہ چڑھاؤ ،کسی کی عزت و آبرو پر حملہ کرکے اپنی قوت بہمیہ کو تسکین کا سامان فراہم نہ کرو۔

[ج] سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عالمی منشور کےاس پہلو پر بھی نظر رہنی چاہیے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ مجمع کے سامنے جو فرمان آپ نے پیش

فرمایا وہ آپ کا وداعی و آخری پیغام تھا، اور اس کے لیے مناسب آپ نے ایسے ہی موقع کو تصور فرمایا جب کہ دور دراز علاقوں سے انسانوں کا ایک جم غفیر، عقیدت مندوں کا ہجوم آپ کے چہرہ منور اور روے زیبا کی زیارت پر آپ کے کلام بلاغت نظام کی سماعت کے لیے بے تاب تھا، اور آپ اس وقت صاف لفظوں میں ارشاد فرما رہے تھے کہ شاید تم لوگ اس بابرکت مہینے، اس یوم سعید اور اس مقدس جگہ میں پھر دوبارہ میری زیارت سے مشرف نہ ہو سکو،اس لیے اس ارشاد کی اہمیت و عظمت کا احساس تمھارے دلوں میں ایسا پیدا ہونا چاہئے کہ تم اس سے کسی حالت میں غافل نہ رہو، میں تم کو اسلام کے برادرانہ رشتے میں منسلک کرکے تمھاری ظاہری نگاہوں سے روپوش ہو جاؤں گا، لیکن یہ ابدی پیغام صفحات عالم پر سنہری حروف میں منقوش رہے گا، تو تمھارے دلوں میں بھی نقش کل الحجر ہونا چاہیے، اپنے ذہن و فکر کو آج سے چودہ سو برس پیشتر کے اس میدان عرفات کی طرف مائل کر کے سوچو کہ اسلامی برادری کے اس رشتے کو بیان کرنے اور احترام مسلم کو واضح کرنے کے لیے اتنے عظیم الشان جملے کا انتخاب کیوں کیا گیا؟ اس کو مدینے کی گلیوں، مکے کی سنگلاخ زمینوں اوردوسرے مقامات پر بھی بیان کیا جا سکتا تھا، لیکن اس اہم وصیت کے واسطے ضروری تھا کہ اس مقدس جگہ میں بیان کیا جائے جہاں پر ہر طبقہ ،ہر گروہ اور ہر رنگ و نسل کے لوگ موجود ہوں، اور سب پر یہ بات واضح کر دیا جائے کہ نسلی امتیازات ،قومی افتخار، قبائلی عصبیتیں اور رنگ و نسل کا فرق و امتیاز کوئی بھی چیز احترام مسلم کی راہ میں حائل ہو جائے تو تمھیں اس کا مقابلہ پوری قوت ایمانی کے ساتھ کرنا چاہیے، تم اخوت اسلامی کا جذبہ اپنے دلوں میں اس طرح سے جمائے رکھو کہ ملکوں اور قوموں کی حد بندیوں کی چٹان اگر اس کے سامنے آجائے تو وہ پاش پاش ہو جائے۔

دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری

مقدمہ شرح بخاری ایک علمی شاہکار



حضرت علامہ ومولانا مفتی شریف الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سنی جماعت کے قائدانہ صلاحیت رکھنے والے ایک ایسے عالم دین تھے، جو اپنے ساٹھ سالہ دینی وعلمی خدمات سے ملت اسلامیہ کے ذہن وفکر پر چھائے ہوئے نظر آتے ہیں، انھوں نے کئی ہزار فتاوے اپنے متروکات میں چھوڑے ہیں، جن میں سے بعض مہمات مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں ،اور وہ ایک درجن سے زائد چھوٹی بڑی کتابوں کے مصنف بھی ہیں ،تدریسی اور تقریری کارناموں سے ہندوستان بھر میں معروف ومشہور ہیں ،لیکن انھوں نے اپنی سترہ سالہ محنت وکاوش سے علم حدیث کے بحر ذخار سے جو آبدار موتی بر آمد کیے ہیں، ان کے تمام کارناموں پر بھاری ہیں ،نہایت تحقیق وجستجو کے ساتھ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری کی ایک شرح لکھی وہ ان کی تابندہ علمی یادگار ہے، اگر اس کتاب مقدس کی اس شرح ضخیم کو اسلامیان ہند کی وراثت علمی شمار کیا جائے ،تو کوئی بے جا جسارت نہ ہوگی۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عشق رسول کے بادہ مستانہ سے سرشار ہوکر بخاری شریف کی تشریح وتوضیح میں اپنی جو دت فکر، اصابت رائے کا نہ صرف مظاہرہ کیا ہے بلکہ اس عظیم المرتبت کتاب اورفن حدیث پر مقدمہ شرح بخاری کے عنوان سے ایک وسیع وعریض مقدمہ لکھا، جس سے ان کے وسعت نظر اور مطالعہ کی گہرائی کا صحیح اندازہ ہوتا ہے ،وہ اردوزبان میں ایک نادرونایاب شئ کااضافہ ہے ،اب تک جتنے شروح پائے جارہے ہیں ان پر ان کی گہری نظر ہے، سب کو انھوں نے اپنے پیش نظر رکھا ،اور بعض پرگراں قدر تبصرہ بھی لکھا ،اور اس تبصرہ میں بڑی فراخ دلی اور دریا دلی سے بخاری شریف کی شرحوں پر فاضلانہ نظر ڈالی اور ان کی تحسین میں کوئی کوتاہی نہیں کی ،کسی شرح پر تنقیدی نگاہ نہیں

ڈالی، بلکہ صرف ان کی علمی حیثیت کے اجاگر کرنے میں اپنے قلم کی روانی وجولانی دکھلائی ،پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ انھوں نے ”تسامحات بخاری “ کا ایک الگ عنوان قائم کرکے امام بخاری جیسے عظیم المرتبت بلندپایہ محدث کے علمی کارناموں کے اجاگر کرنےکے بعد ان کی لغزشوں اورتسامحات پر کیوں روشنی ڈالی، وہ خود فرماتے ہیں کہ : ”انسان بہر حال انسان ہے، غلطی ولغزش ہوہی جاتی ہے ،اس قانون فطرت کے مطابق امام بخاری سے لغزشیں ہوگئیں الخ“ ۔

یہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کاارشاد گرامی فی الواقع صداقت پر مبنی ہے، تاہم دوسرے مصنفین اور شراح حدیث کی لغزشوں سے جب مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صرف نظر کیا تھا، تو بظاہر ان کی شایان شان یہی بات تھی کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے محقق ومحدث کی ذات مقدسہ سے بھی غض بصر کرتے،ا ن کے قلم حقیقت رقم کے لیے دوسرے بہت سارے مباحث تھے، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ انہوں نے امام بخاری پر تنقیدی نگاہ ڈالی، جب کہ ان کے ساتھ بڑی عقیدت کا اظہار جابجا کیا ہے، اس کی وجہ میری نگاہ میں یہ ہےکہ ہر مصنف خواہ وہ شرح حدیث لکھ رہا ہو یا قرآن کریم کی تفسیر میں اپنے مطالعہ کی گہرائی پیش کر رہا ہو، اس کی شخصیت کے آئینہ دار اس کے قلمی افکار ہوتے ہیں، جن میں ان کےخیالات وجذبات اور احساسات کا پرتو جمال نظر آتا ہے، اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک متصلب سنی ہی نہیں تھے بلکہ بہت اعلیٰ درجہ کے حنفی بھی تھے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مستطاب میں مسلک احناف کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ،امام بخاری خواہ شافعی المسلک رہے ہوں یا حنبلی مسلک کے نمائندہ، انہوں نےحنفیوں پرکافی وار کیا ہے اور حنفی مسلک کو محدثین کے مسلک کےخلاف ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

اگرچہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت وسطوت، ان کی دینداری و پرہیزگاری ،ان کے علمی کمالات وکارنامے اورتحقیق وجستجو نیز ان

کی کاوش فکر کے اعتراف میں کسی سے پیچھے نظر نہیں آتے، انہوں نے جہاں مقدمہ میں امام بخاری کی حالات زندگی پر روشنی ڈالی ہے وہیں اپنی عقیدت و نیاز کی پیشانی ان کی بارگاہ میں جھکائے ہوئے نظر آتے ہیں ،تاہم ایک حنفی ہونے کی وجہ سے ان کا جو اہم فریضہ تھا اس کی بجا آوری وانجام دہی میں کسی کوتاہی کے مرتکب نہیں ہوئے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے استدلال جو حقائق کی روشنی میں درست نہیں قرار دیئے جاسکتے ان کے بیان کرنے میں اپنے علمی کمال و دیانت کی بنا پر یہ ضروری تصور کیا کہ تسامحات کا عنوان قائم کرکے اس پر بھی اپنے قلم کو تیز گام کریں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت پر کوئی داغ دھبہ برقرار رکھنا نہیں چاہتے بلکہ جو لوگ اہل حدیث ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور وہ فی الواقع غیر مقلد ہیں اور بار بار امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی وردِزبان بناکر اپنے غلط استدلال کوصحت کارنگ روپ دینا چاہتے تھے، درحقیقت مفتی صاحب نے ان کی تردید میں اپنے کمال علمی کا مظاہرہ کیا، صحیح بات تو یہ ہےکہ شرح بخاری سے پہلے انہوں نے مقدمۂ شرح بخاری تالیف فرماکر غیر مقلدوں کے منہ میں لگام لگایا ہے، بلکہ اپنی جماعت پر احسان عظیم کیا ہے، اب تک اردو زبان میں جتنے شروح وحواشی پائے جا رہے ہیں ان میں سے کسی میں ایسا مبسوط مقدمہ جس میں ہر پہلو و ہر جہت سے بحث کی گئی ہو مجھ کو نظر نہیں آیا۔

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی مبسوط کتابوں کا مطالعہ کیا، اردو ،فارسی ،عربی زبان پر ان کو کافی عبور تھا، اس لیے اپنے کاروان شوق کو ہر منزل کی طرف گامزن کیا، ہر جگہ گامزن کیا ،ا ن کی نگاہ کی گہرائی کا یہ عالم ہے کہ جو بحث بھی اٹھاتے ہیں اس کو آخر ی حد تک پہنچا کر دم لیتے ہیں، مقدمہ کے جتنے عنوانات و مباحث ہیں سب پر سرسری نگاہ ڈالنے سے محسوس ہوتا ہےکہ ان کا مطالعہ نہایت وسیع تھا، وہ فن حدیث کے بحر بے کراں میں غوطہ زن

ہوئے اور اس بحرِ ذخار سے موتی لاکر برآمد کیا، انہوں نے اصول حدیث اور شرح بخاری کی کتب مبسوط پر بڑی دل سوزی و جگر کاوی سے عبور حاصل کیا، اس لیے میرے نزدیک شرح بخاری کی خوبیاں اور اس کے خصائص محمودہ کیا کیا ہیں، ان پر دسترس حاصل کرنا تو میرے بس کی بات نہیں ہے لیکن میں نے اس کے مقدمات کو اپنے زیرِ مطالعہ رکھا اور بار بار میں نے اس کو گہری نظر سے پڑھا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ مقدمہ ان کا عظیم الشان کارنامہ ہے، اور نہ یہ کہ صرف ان کے جملہ تصانیف پر بھاری ہے بلکہ یہ ایک ایسا علمی شاہ کار ہے جس کے پڑھنے سے اہل علم مصنف علام کی نگاہ کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے، اور مصنف سے اپنی عقیدت کے اظہار میں اپنے وسعت قلبی کا مظاہرہ کیے بغیر نہیں رہ سکتے ،کیوں کہ علمی دنیا کا یہ مقدمہ عظیم المرتبت کارنامہ ہے جس کی تہ تک پہنچنے کے لیے دانشوروں کو کافی گہرائی میں اترنا ہوگا ،خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی علوم کی جامعات اور دارالعلوم کے اساتذہ و طلبہ اس علمی شاہکار کو استحسان کی نگاہ سے دیکھیں گے ،دعا ہے کہ مولائے کریم مصنف علاّم رحمۃاللہ علیہ کو اس کا اجر جزیل وجمیل مرحمت فرمائے۔آمین۔



تشریح حدیث

"واللہ ماادری وانارسول اللہ مایفعل بی"



شاہ معین الدین صاحب ندوی ،صحابی رسول ﷺ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"کہ حضرت ام العلا انصاریہ (جن کے گھر میں انھوں نے وفات پائی) فرماتی ہیں کہ تجہیز وتکفین کے بعد جب جنازہ تیار ہوا توآنحضرت ﷺ تشریف لائے ،میں نے کہا کہ ابوسائب تم پر خدا کی رحمت ہو، میں گواہی دیتی ہوں کہ خدا نے تجھ کو معزز کیا ،ارشاد ہوا کہ تمھیں کس طرح معلوم ہوا کہ خدا نے معزز کیا ،میں نے عرض کیا کہ میرا باپ آپ پر فدا ہو پھر کس کو معزز کرے گا ،فرمایا: "کہ عثمان کو درجۂ یقین حاصل تھا "اور اس کی بہتری کی امید رکھتا ہوں ، لیکن خدا کی قسم میں رسول خدا ہو کر بھی نہیں جانتا کہ میرا انجام کیا ہوگا۔[مہاجرین ،ص۳۶۱تا ۳۶۲ ،حصہ اوّل]

عبارت بالا میں بخاری شریف کتاب الجنائز جلد اول صفحہ ۱۶۹ کی حدیث کا مفہوم اداکرنے کی کوشش کی گئی ہے،لیکن اولِ نظر میں خط کشیدہ الفاظ قابل غور ہیں:

(۱) یہ جملہ "فرمایاکہ عثمان کو درجۂ یقین حاصل تھا"،"فقال اماھو فقد جاءہ الیقین" کا مفہوم بتایا گیا، یہاں یقین کا لفظ ازالۂ شک کے معنی میں لیا گیا ہے،حالاں کہ ایسا نہیں ،چنانچہ آگے چل کر ہم ثابت کریں گے کہ یہ لفظ اس حدیث میں موت کے معنی میں لیاگیاہے۔

(۲) لیکن" خدا کی قسم میں رسول خدا ہوکر بھی نہیں جانتا کہ میرا انجام کیا ہوگا "یہ مفہوم حدیث کے جن الفاظ سے لیاگیا ہے وہ الفاظ یہ ہیں :"واللہ ماادری و انارسول اللہ مایفعل بی" بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے مؤلف کے نزدیک پیغمبر اسلام ﷺ کو اپنے انجام کا علم نہیں تھا ،ورنہ ان الفاظ کی

وضاحت ضرور کردی جاتی،یا حاشیہ میں بتادیا جاتا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا صحیح مطلب شارحین کے نزدیک کچھ اور ہے یہ ظاہری معنی مراد نہیں۔

میں اپنے اس مضمون میں واضح کروں گا کہ یہ بات قطعًا غلط ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کو معاذ اللہ اپنے حسن انجام کے بارے میں تردّد تھا ،لیکن ان دونوں امروں پر بحث کرنے سے قبل مناسب خیال کرتا ہوں کہ امُّ العُلا کی مکمل حدیث ناظرین کے سامنے آجائے ،یہ حدیث پاک بخاری شریف کی کتاب الجنائز ،کتاب الشھادات ،کتاب التعبیر میں ذکر کی گئی ہے ،لیکن یہ حدیث مختلف بابوں میں کچھ تغیر وتبدل کے ساتھ مروی ہے،اور شاہ معین الدین صاحب ندوی نے کتاب الجنائز کی حدیث پاک کا حوالہ دیا ہے، اس لیے مکمل بحث کے لیے ضروری قرار پایا کہ کتاب الجنائز کی پوری حدیث پاک ذکر کی جائے اور بقیہ ابواب کی احادیث کے ان الفاظ کو لیا جائے جن سے بحث مقصود ہے،کیوں کہ یہ الفاظ کچھ فرق کے ساتھ مروی ہیں۔

کتاب الجنائز کی حدیث یہ ہے :

(۱) عن ام العلاء ،وھی امراءةمن الانصاربایعت النبی ﷺ، قالت:طارلنا عثمان بن مظعون حین اقترعت الانصار علی سکنی المھاجرین، فانزلناہ فی ابیاتنا، فوجع وجعه الذی توفی فیه، فلما توفی وغسل وکفن فی اثوابه، فدخل رسول الله ﷺ، فقلت رحمة الله علیك ابا لسائب، فشھادتی علیك، لقد اکرمك الله، فقال النبی ﷺ :ومایدریك ان الله اکرمه، فقلت :بابی انت یارسول الله ﷺ فمن یکرمه الله، فقال: اماھو فقد جاءه القین ،والله انی لارجو له الخیر ،والله ماادری وانارسول الله مایفعل بی".الخ [بخاری شریف جلد اول ،ص:۱٦٦]

ابن شہاب سے مروی ہے کہ حضرت ام العلا انصاریہ رضِی اللہ عنہا جنھوں

نے حضور ﷺ سے بیعت کی تھی ،خارجہ بن زید کو بتایا کہ مہاجرین کے لیے قرعہ اندازی کی گئی، عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ہمارے حصے میں آئے ،چنانچہ انھیں اپنے گھر لائے ،پھر وہ بیمار ہوگئے ،اور اسی بیماری میں وفات پاگئے ،تجہیزوتکفین ہوئی توحضور ﷺ تشریف لائے ،میں نے کہا کہ ابوسائب تم پر خدا کی رحمت ہو ،تمھارے لیے گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں معزز کیا ،ارشاد ہوا کہ تمہیں کیسے اندازہ ہوا ،کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معزز کیا؟ میں نے کہا: میرا باپ آپ پر فدا ہو، پھر کس کو اللہ تعالیٰ معزز فرمائے گا ،آپ نے فرمایا بلاشبہ ان کا انتقال ہوچکا ہے ،اور بخدا میں ان کے لیے خیر کی توقع رکھتا ہوں ،خدا کی قسم میں رسول خدا ہوکر نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔

کتاب الشہادات کی روایت یہ ہے :

(۲) فقال رسول اللہ ﷺ اما عثمان فقد جاءہ واللہ الیقین وانی لارجولہ الخیر واللہ ماادری وانا رسول اللہ مایفعل بہ .[کتاب الشہادات، جلد۱،صفحہ ۳۶۹،]

پس حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عثمان کو خدا کی قسم موت ہوگئی اور میں ان کے لیے بھلائی کی امید رکھتا ہوں ،خدا کی قسم میں رسول خدا ہوکر بھی نہیں جانتا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔

کتاب التعبیر باب رویاالنساء کے الفاظ حسب ذیل ہیں :

(۳) فقال رسول اللہ ﷺ اما ھوفواللہ لقد جاءہ الیقین واللہ انی لارجولہ الخیر واللہ ماادری وانا رسول اللہ مایفعل بی۔[ج۲ ،ص ۱۰۳۷]

آپ نے ارشاد فرمایا کہ بخدا ان کو موت آگئی اور خدا کی قسم میں ان کے لیے بھلائی کی امید رکھتا ہوں ،اور خدا کی قسم میں رسول خدا ہو کر بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیامعاملہ ہوگا۔

(۴)حدثنا ابوالیمان، اخبرنا شعیب عن الزھری بھذا وقال وماادری مایفعل بہ۔[بخاری شریف ،جلد ثانی ،صفحہ :۱۰۳۷]

ابوالیمان نے بیان کیا کہ ہم کو شعیب نے خبردی وہ زہری سے اسی حدیث کو روایت کرتے ہیں اور زہری نے کہا :"ومادری مایفعل به"یعنی میں نہیں جانتا کہ عثمان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔

کتاب التعبیر باب العین الجاریۃ فی المنام کے الفاظ یہ ہیں :

(۵) قال اماھو فقد جاءہ الیقین انی لارجوله الخیر من الله والله ما ادری وانارسول الله مایفعل بی ولا بکم .

حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عثمان کو موت آگئی ،بلاشبہ اللہ کی طرف سے ان کے لیے بھلائی کی امید رکھتاہوں ،اور خدا کی قسم میں رسول خدا ہوکر نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیاکیاجائے گا اور تمھارے ساتھ کیاکیا جائے گا۔

امّ العلا انصاریہ کی بخاری شریف میں مذکورہ پانچوں روایتوں کے زیر بحث الفاظ آپ کے سامنے ہیں ،دوروایتوں کے الفاظ میں "مایفعل بہ "آیا ہے ،اور تین روایتوں کے الفاظ میں "مایفعل بی " آیاہے۔

ام العلاانصاریہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے سلسلہ میں شاہ معین الدین صاحب ندوی سے دولغزشیں ہوگئی ہیں۔

(۱)حضور اکرم ﷺ کے ارشاد عالی :"اماھوفقدجاءہ الیقین "کا مفہوم شاہ ندوی صاحب نے یہ بتایا کہ عثمان کو درجۂ یقین حاصل تھا۔

جہاں تک تلاش وجستجو کا تعلق ہے کہیں بھی کسی شارح حدیث سے منقول یہ مفہوم نظر نہیں آیا بلکہ شراح احادیث اس یقین کا معنی موت بتاتے ہیں ،اور لغت کی کتابوں میں بھی یقین کا معنی موت بتایا گیا ہے ،چنانچہ قاموس جلد چہارم صفحہ ۲۱۳ میں ہے :"والیقین ازاحة الشك کالیقین والموت "قرآن عزیز کی آیت کریمہ :"واعبد ربك حتیٰ یاتیك الیقین "کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یقین کا معنی موت بتاتے ہیں۔

تفسیر کبیر جلد خامس صفحہ ۲۸۴ ،تفسیر ابوالسعود جو تفسیر کبیر کے حاشیہ پر ہے

،اس میں بھی ”حتیٰ یاتیك الیقین “کی تفسیر میں فرماتے ہیں :”ای الموت فانه متیقن اللحوق لکل حی مخلوق “ یعنی یقین کے معنی موت کے ہیں کیوں کہ یہ متیقن ہے کہ موت ہر زندہ مخلوق کو لاحق ہوتی ہے۔[حاشیہ تفسیر کبیر ،جلد ۶ ،صفحہ ۲۹۵]

مجمع بحارالانوار میں ہے کہ :”یاتیك الیقین ای الموت وحتیٰ یاتیك الیقین ای الموت “۔[جلد دوم ،ص:۵۰۳]

ان تمام وضاحتوں کے بعد بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحب نے غور فکر کے بغیرحضور اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی :”اماھو فقدجاءہ الیقین“ کامطلب یہ بیان کیاکہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کودرجۂ یقین حاصل تھا، اس طرح کے مفہوم و معنٰی کا بیان میرے نزدیک متکلّم کے کلام کی تحریف معنوی ہے،جو اگر آیت کریمہ اور احادیث میں ہوتو گناہ عظیم کا درجہ رکھتی ہے، بشرطے کہ سہواً نہ ہوئی ہو۔

(۲) ”واللہ ماادری وانارسول اللہ مایفعل بی“ کا مطلب ندوی صاحب یہ لکھتے ہیں کہ خدا کی قسم میں رسول خدا ہوکر نہیں جانتا کہ میرا انجام کیا ہوگا ،اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات تک یعنی ۲؍ہجری تک سید المرسلین ﷺ کو اپنے انجام کا علم نہیں تھا ،یعنی اپنے بخشائش کے بارے میں تردُّد میں مبتلا تھے۔

عام طور سے ندوی حضرات کاطریقہ یہ ہے کہ اپنی کتابوں میں معمولی معمولی باتوں پر حاشیہ آرائی فرماتے ہیں ،لیکن حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی پر مفہوم کی ادائیگی کے بعد حاشیۂ ذیلی میں ایک لفظ نہیں لکھا،جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ گویا ان کے نزدیک یہ عبارت بالکل بےغبار تھی ،نہ اس مفہوم کے بیان کرنے سے شان نبوت پر کوئی حرف آتا اور نہ مسلمانوں کے عقیدہ پر کو ئی اثر پڑتا،حالاں کہ معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس سلسلے کی ساری بحثیں جو شارحین حدیث نے بیان کی ہیں سامنے لائی جائیں تاکہ ندوی

صاحب کی اس عبارت اور حدیث پاک کے ظاہری الفاظ سے جو غلط تاثر پیدا ہوتاہے دور ہوجائے ،اور صحیح بات منقح ہوکر سامنے آجائے۔

اس بحث میں پہلےاس بات پر غور کرنا ہے کہ آیا لفظ "مایفعل بی" صحیح ہے ،یا "مایفعل به "پھر یہ غور کرنا ہے کہ اگر "مایفعل بی " ہی صحیح ہے تواس کا مطلب شارحین حدیث نے کیا بیان کیا ہے ،فتح الباری ،عینی ،تیسیرالقاری سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ صحیح روایت "مایفعل به "ہے ،چنانچہ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الجنائز والی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ :

"قال الداؤدی مایفعل بی وهم والصواب مایفعل به ای بعثمان لانه لا یعلم من ذالك الامایوحیٰ الیه"۔[عینی ،جلد چہارم ،صفحہ: ۱۸]

داؤدی نے کہا ہےکہ :"مایفعل بی"وہم ہے ،اور درست روایت "مایفعل به " ہے ،یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیاکیاجائے گا ،کیوںکہ یہ ایسی بات ہے جو صرف وحی الٰہی سے جانی جاسکتی ہے۔

بلکہ امام بخاری بھی "مایفعل بی"کی روایت سے متفق نظر نہیں آتے ،اسی لیے بخاری کتاب الجنائز،صفحہ ۱۶۶ پر لیث کی پوری حدیث روایت کرنے کے بعد معًا بطریق عقیل اس حدیث کاصرف یہی لفظ روایت کیا کہ عقیل کی روایت میں "مایفعل به "ہے ،پھر عقیل کی تائیدمیں متابعات بھی ذکر کردیں ،چنانچہ فتح الباری شرح بخاری میں علامہ ابن حجر عسقلانی رقم طراز ہیں کہ :

"وفی روایة الکشمیهنی "به" وهو غلط منه، فان المحفوظ فی روایة اللیث هذا ،ولذالك عقب المصنف بروایة نافع بن یزید عن عقیل التی لفظها مایفعل به، علق منها هذا القدر فقط اشارةً الی ان باقی الحدیث لم یختلف ".[فتح الباری ،ج ۳ ،ص ۹۳]

کشمیہنی کی روایت میں "بہٖ " ہے، وہ ان کی غلطی ہے ،اس لیے کہ لیث کی محفوظ روایت میں "مایفعل بی "ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وجہ سے نافع

بن یزید عن عقیل کی روایت کو بعد میں ذکر کیا ،جس کے الفاظ ”مایفعل به “ہیں ،صرف اتنے الفاظ کو بطور تعلیق ذکر کرکے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ باقی الفاظ حدیث میں اختلاف نہیں۔

تیسیر القاری میں علامہ نورالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مندرجہ بالامفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

”در صحت ایں روایت از لیث سخن کردہ است ،اگر بصحت نہ پیوندد، چنانچہ مؤلف اشارہ کردہ است ،بروایت نافع بن یزید کہ لفظ او ”مایفعل بہ “ومتابعت شعیب وعمروابن دینار ومعمر تقویت کردہ از تکلفات توجیہات ایں روایت خلاصہ می کند“۔

لیث سے اس روایت کی صحت کے بارے میں کلام کیا ہے، اگر یہ روایت درست نہ قرار پائے جیسا کہ مؤلف نے نافع بن یزید کی روایت سے اشارہ کیا ہے ،جن کے الفاظ ”مایفعل به “ ہیں اور شعیب وعمروبن دینار ومعمر کی متابعت سے اس کی تقویت کی ہے ،تو یہ روایت توجیہات کے تکلفات سے امام بخاری کے نزدیک بے غبار ہوجاتی ہے۔

ان تشریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ام العلاتم حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے حسن انجام کی خبر دیتی ہو اور خدا کی قسم میں امید رکھتا ہوں کہ ان کے لیے بھلائی ہوگی، لیکن رسول ہوتے ہوئے میں قیاس وتخمین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا ،یہ بات صرف وحی الٰہی کے ذریعہ یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے۔

لہٰذا ثابت ہواکہ اس حدیث کا تعلق حضور ﷺ کے انجام سے مطلقاً نہیں ہے ،اگر ام العلاکی حدیث میں ”مایفعل بہٖ “کے بجائے ”مایفعل بی “صحیح ہو، یا ”بہٖ “ کا مرجع حضور ﷺ کو تسلیم کرلیا جائے اور بخاری شریف کی ایک روایت جس میں ”مایفعل بی“ آیا ہےاور قرآن حکیم کی سورہ احقاف کی موافقت کا لحاظ

رکھا جائے تو اس وقت ضرور سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ کیاواقعی حضور ﷺ اپنے انجام سے لاعلم رہے ،اسلامی معتقدات کا جسے معمولی علم بھی ہو وہ بتا سکتاہے کہ انبیاے کرام کے مدارج اعزاز کیا ہیں ،ان کے حسن انجام سے ایک معمولی مسلمان بھی واقف ہے ،پھر سرکار دوجہاں ﷺ اس سے کیوں کر ناواقف رہ سکتے ہیں ،اس لیے روایت کی توجیہ ضروری ہے۔

علامہ ملاعلی قاری ارشاد فرماتے ہیں کہ :

”قال التور پشي: لايجوز حمل هذا الحديث وما وردفی معناه علی ان النبی ﷺ كان مترددا فی عاقبة امره غير متيقن بحاله عندالله من الحسنىٰ لماورد عنه ﷺ من الاحاديث الصحاح التی ينقطع العذردونها بخلاف ذالك وانىّٰ يحمل علی ذالك وهوالمخبر من الله تعالىٰ انه يبلغه المقام المحمود وانه اكرم الخلائق علی الله تعالىٰ وانه اوّل شافع واوّل مشفع الی غير ذالك “. [مرقاة ،جلد خامس ،ص :۱۰۷]

تورپشی نے کہا کہ یہ حدیث پاک اور اس کے ہم معنی احادیث کا اس بات پر حمل کرنا جائز نہیں ہے کہ حضور ﷺ کو اپنے حسن انجام کے بارے میں تردد تھا ،کیوں کہ حضور ﷺ کے حسن انجام کے بارے میں اتنی صحیح حدیثیں وارد ہوئی ہیں جن کے ہوتے ہوئے اس خلاف عذر کی کوئی گنجائش نہیں ،اور کیسے یہ معنی مراد لیاجائے ،جب کہ خود آپ اللہ تعالیٰ کی جانب سے خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا ،اور آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام خلائق میں معززتر ہیں ،نیز سب سے پہلے شفاعت کرنے والے اور شفاعت قبول کئے جانے والے ہیں ، وغیرہ وغیرہ۔

عاشق رسول، محقق علی الاطلاق، شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں کہ اس حدیث کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ عاقبت مبہم ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ آخر میں کیا ہوگا ،اور کیا کرے گا، مگر یہ بات

انبیاے کرام علیہم السلام خصوصًا سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بارے میں ان دلائل قطعیہ سے منفی ہے جو انبیاے کرام علیہم السلام کے حسن انجام کے جزم ویقین پر دلالت کرتے ہیں۔

پھر جناب شیخ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شان ورود بیان کرتے ہوئے اس کی توجیہ فرماتے ہیں کہ :

"یہ حدیث عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے، جو پہلے مہاجر صحابی ہیں کہ ہجرت کے بعد وفات پائی، حضور ﷺ نے ان کو یہ اعزاز بخشا کہ ان کی موت کے بعد ان کی پیشانی پر بوسہ دیا، اور آنسو بہائے اور اپنے سامنے بقیع کے اندر دفن فرمایا ،ایک عورت وہاں موجود تھی، اس نے کہا :اے عثمان تم کو مبارک باد ہو، تمھارے واسطے جنت ہے اور تمھاری عاقبت بخیر ہے" تو حضور ﷺ نے بطور توبیخ یہ حدیث ارشاد فرمائی۔

درحقیقت اس حدیث کا مضمون ان کی جرأت پر اور غیب کے(بے دلیل) خبر پر بطور مبالغہ زجر ومنع ہے ،خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث پاک ازروے ادب علم غیب کی عدم تصریح سے کنایہ ہے، اور حقیقت کلام مراد نہیں ہے، یا انجام کے احوال کا عدم علم تفصیلی مراد ہے، خواہ دنیا میں ہو خواہ آخرت میں، تفصیل کے ساتھ سواے پروردگار کے کسی کو نہیں ہے، اگرچہ مجملاً معلوم ہے کہ انبیاے کرام علیہم السلام کی عاقبت بخیر ہے۔

اس کے بعد حضرت شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض شراح حدیث کی بیان کردہ توجیہات نقل فرمائی ہیں کہ انھوں نے حدیث مذکور کی توجیہ حسب ذیل کی ہے:

یہاں مراد امور دنیا کا عدم علم ہے یا یہ مراد ہے کہ موت سے مروں گا یا قتل سے مجھ کو یہ نہیں معلوم یا میں یہ نہیں جانتا کہ تمھارے اوپر امم سابقہ کی طرح عذاب آئے گا ،یا نہیں؟ یا حضور ﷺ کو فتح مکہ اور اس کے وقت کے بارے میں تردد تھا۔

جناب شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:" ایں معانی ناموافق سوق حدیث است "یعنی یہ توجیہات حدیث کے سیاق و سباق کے موافق نہیں ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بخاری" باب الدخول علی المیت "کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں:

"فطارلناعثمان بن مظعون "کا یہ مطلب ہے کہ وہ ام العلا انصاریہ کے حصہ میں آئے ،اور حدیث کے الفاظ"واللہ ما ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی" کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ حدیث پاک"لیغفرلك اللہ" کے نزول کے پہلے ارشاد فرمائی گئی ہے، یا یہ مطلب ہے کہ میں یقین سے نہیں جانتا ہوں کہ جنت کے مرتبوں میں سے کس مرتبہ میں رہوں گا۔[شرح تراجم ابواب البخاری من شاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی]

مجمع بحار الانوار صفحہ ۴۰۸ پر حدیث کے زیر بحث الفاظ کی تشریح یوں کی گئی ہے:

"ومامادری وانا رسول اللہﷺ" سے مراد درایۃ تفصیلیہ کی نفی ہے،ورنہ معلوم ہے کہ حضورﷺ کے ماتقدم وما تاخر بخش دیے گئے ہیں، اور آپ کو وہ مقامات علیا حاصل ہیں، جن کی کوئی حد نہیں"۔

یاموردحدیث سے قطع نظر دنیاوی امور مراد ہیں، یا آیت کریمہ "لیغفرلك اللہ " سے منسوخ ہے، یا عثمان بن مظعون کے بارے میں"ھنیأً لك الجنۃ" کہنے والی عورت کو جھڑکی دینا ہے، کیوں کہ اس نے اپنے طور سے غیب کا حکم کیا تھا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی ام العلاکی حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں کہ:

عبدالرزاق کے الفاظ یہ ہیں "فواللہ مامادری وانا رسول اللہ مایفعل بی ولابکم "یہ سورہ احقاف کی آیت مبارکہ "قل ماکنت بدعاً من الرسل ومامادری مایفعل بی ولابکم "کے موافق ہے ،حضورﷺ کا یہ ارشاد گرامی

سورہ فتح کی آیت مبارکہ ''لیغفر لك اللہ ''سے پہلے کا ہے، اس لیے کہ سورہ احقاف مکی ہے، اور سورہ فتح مدنی ہے، اس کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اور بلاشبہ ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گا، اور اس کے ہم معنٰی بہت سی احادیث صریحہ ہیں، اس لیے احتمال ہے کہ ان احادیث پاک کو علم اجمالی کے اثبات پر حمل کیا جائے، اور ام العلا کی حدیث کی نفی ''من حیث التفصیل'' احاطے پر حمل کی جائے۔

ام العلا انصاریہ کی حدیث میں علامہ نورالحق رحمۃ اللہ علیہ تیسیر القاری شرح بخاری جلد اول صفحہ ۴۱۶ میں فرماتے ہیں کہ:

''واللہ ما ادري وانا رسول اللہ ما یفعل بی''

خدا کی قسم میں پیغمبر خدا ہو کر نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

سوگند باخدا نمی دانم من وحالاں کہ من پیغمبر خدا ام چیزے کردہ خواہد شد بمن، یاچہ کردہ خواہد شد بمن، بداں کہ ایں حرف صادر شد از مقام محض ادب عبودیت وبملاحظہ لاابالیت خداے عزوجل ،وتنبیہ دیگراں است کہ از خود چنیں فضولے نہ کنند، وگر نہ آں حضرت ﷺ باایں ہمہ وحی متلوکہ درتشریف وعلو شان ومنزلت اوصادر شدہ کہ بیقین می دانست کہ معززترین انبیااست ودر روز قیامت او است شافع ،مشفع۔

تم کو جاننا چاہیے کہ یہ کلام محض ادب بندگی کے مقام اور خداوند قدوس کے استغنا کو لحاظ رکھتے ہوئے صادر ہوا ہے کہ اپنی طرف سے اس قسم کی غیر مناسب باتیں نہ کیا کریں ، ورنہ حضور ﷺ کی شرف و بزرگی اور آپ کی سربلندی، علو شان کے بارے میں اتنی زیادہ وحی الٰہی نازل ہوئی کہ آپ یقین کے ساتھ جانتے تھے کہ گروہ انبیا میں معزز ترین ہیں، اور قیامت کے دن شفاعت کرنے والے اور شفاعت قبول کیے جانے والے ہیں۔

اس حدیث پاک کی توجیہ میں بعض شارحین کے اقوال کو نقل کرکے علامہ مرحوم تنقید فرماتے ہیں ،شارحین کے اقوال حسب ذیل ہیں۔

شارحین حدیث نے کہا کہ حضور ﷺ کا یہ قول سورہ فتح کی آیت مبارکہ ''لیغفر لك الله ''الخ، کے نزول سے پہلے کا ہے،اس آیت مبارکہ سے پہلے جب کہ آپ کے حسن عاقبت کا اعلان نہیں کیا گیا تھا، آپ اپنی عاقبت سے بے خبر تھے، یہاں تک کہ آپ عشرہ مبشرہ کے حسن عاقبت کا یقین کامل رکھتے تھے، اور اپنی مغفرت اورعدم مغفرت کے بارے میں متردد تھے۔

علامہ نورالحق کی تنقید کا تیور ملاحظہ فرمائیے ،نہایت پرشکوہ الفاظ میں شارحین حدیث پر تنقید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''پوشیدہ نماند کہ ایں توجیہ بردل عقیدت مند ایمانیاں جائی کند کہ آنحضرت ﷺ تانزول ایں آیت کریمہ کہ بعد از صلح حدیبیہ درآخر زمان رسالت است بر حالیکہ اورانزد خدا بودہ آگاہی نیافتہ ،وباایں اکرام روز افزوں وتشریعات بے نہایت درعاقبت خود مترددباشد ،تاکدام ظن ناپسند باشد کہ ایں توجیہ پسندیدہ اوافتد''۔

یہ بات پوشیدہ نہیں ہےکہ عقیدت مند ایمان داروں کے دل میں یہ بات نہیں سما سکتی کہ حضور ﷺ نے سورہ فتح کی اس آیت کریمہ کے نزول تک جو صلح حدیبیہ کے بعد آخری زمان رسالت میں ہوا اس حالت پر آگاہی نہ پائی جو خدائے قدوس کی بارگاہ میں ان کو حاصل تھی ، باوجود روز افزوں اکرام اور بے انتہا بزرگیوں کے اپنی عاقبت کے بارے میں متردد رہے،کون ایسا بدظن ہوگا جس کو یہ توجیہ پسند آئے گی۔

اس ہیچ مداں نے تیسیر القاری شرح بخاری ،فتح الباری،مرقات شرح مشکوٰۃ ،اشعۃ اللمعات ،مجمع بحارالانوار ، شرح تراجم ابواب البخاری سے ثابت کیا کہ کوئی شارح حدیث حضور ﷺ کے ارشاد گرامی''واللہ مادری وانا رسول اللہ مایفعل بی '' سے یہ نہیں مراد لیا کہ حضور کو اپنے انجام کا علم نہیں تھا، بلکہ تمام شراح حدیث یا تو اس حدیث پاک کو اس کے ظاہری معنی سے الگ کر کے دوسرے معنی پر محمول کرتے ہیں یا اس کی ایسی تاویل کرتے ہیں جس سے ایمان

و عقیدہ میں بگاڑ نہ پیدا ہو ،اور حضور ﷺ کی ذات گرامی پر کوئی حرف نہ آئے۔
اگر اس حدیث کے ان الفاظ کو شاہ معین الدین ندوی صاحب کی طرح ظاہری معنی پر محمول کیا جائے تو ایک مسلمان کے عقیدے کا ایک جزیہ بھی ہوگا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کواپنے خاتمے کا علم نہیں تھا، اور اپنے مغفور اور عدم مغفور ہونے کے بارے میں تردد میں مبتلا رہے، یہ ایسی بات ہے جو ایک مسلمان کو دائرۂ ایمان سے نکال کر کفر کی سرحد تک پہنچا دیتی ہے، لہٰذا یہ عذر بھی قابل قبول نہیں کہ شاہ صاحب کا کام ایک مورخ کی حیثیت سے ایک تاریخی واقعہ کا ذکر تھا، ان کو اس سے بحث نہیں تھی کہ اس سے ایمان و عقیدے پر کیا اثر پڑتا ہے۔
ایک غیر مسلم مورخ تو یہ عذر پیش کرکے ملت اسلامیہ کے افراد کو ان کے رسول کے بارے میں شکوک میں مبتلا کرنے کی ناکام کوشش کرسکتا ہے، اس لیے کہ اس کا جذبۂ ''اسلام دشمنی'' اس تلاش میں رہتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں کوئی نقص یا عیب بزعم خویش ڈھونڈ نکالے تو وہ رائی کو پہاڑ بنالے،لیکن ایک مدعی اسلام چاہے مورخ ہو یا محدث، فقیہ ہو یا متکلّم ، ماہر علم طبقات الارض ہو یا ماہر علم نباتات، اس پر لازم ہے کہ حضور ﷺ کے اس طرح کے ارشاد کو ایسے انداز میں پیش کرے جس سے آپ کی ذات گرامی پر کوئی حرف نہ آئے، اور نہ ہی ایمان و عقیدے میں خلل واقع ہو ،یہ کتنی بڑی بات ہے کہ ایک مسلمان اس عبارت کو پڑھ کر یہ تاثر اپنے اندر پیدا کرے کہ سرور کائنات ﷺ کو اپنی عاقبت کی خبر نہ تھی، بھلا اس قسم کی بات کوئی عقلمند جس کے ہو ش وحواس درست ہوں کر سکتا ہےکہ ایسی ذات گرامی جو بنی نوع انسان کو صراط مستقیم پر گامزن ہونے کی صورت میں حسن انجام کی بشارتیں سناتی رہی اس کو خود اپنےانجام کے بارے میں تردد رہا،کون سی عقل و منطق گوارہ کرسکتی ہے کہ رہبر صادق کو منزل مقصود تک پہنچنے کا پتہ نہیں تھا ،دوسروں کو فوزوفلاح کے پیغامات تو دیتا رہالیکن اس کو اپنی کامیابی کا علم نہ ہوا، اس لیے فرقہ وہابیہ کے بد حواسوں کو

فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ بالرضا ءالسرمدی اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ''میں نہایت پر جلال انداز میں خدائے تعالیٰ کا حکم سناتے ہیں:

''فاستبان کالشمس والامس ان الذي ينفي مطلق العلم بالمغيبات عن النبيﷺ ولو لعطاء الله سبحانه و تعالى كما صرحت به وهابية ديارنا حتى قالوا :انهﷺ لا يعلم حال خاتمته ولا خاتمة امته كما ورد الى سوال عن حكم هذا الضلال في شهر ربيع الاول ۱۳۱۸ھ من بلدة دلهى وكتبت في جوابه ''انباء المصطفىٰ بحال سر واخفىٰ'' واقمت عليهم الطامة الكبرىٰ، فهو ناف لما اثبته الله تعالىٰ في قرأنه، وقوله مناف لا يمانهٖ كاف و واف لخسر انهٖ فهو كافر و مرتد بكفر انهٖ وقوله: انهﷺ لا يعلم حال خاتمته ولا خاتمة امته كفر أخر لانكارهٖ كثيرا من الأيات الغرر''۔

پس آفتاب اور گزشتہ کل کی طرح روشن ہوگیا کہ جو نبی ﷺ سے غیوب کے مطلق علم کی نفی کرتا ہے، اگرچہ وہ علم اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہو جیسا کہ ہمارے ملک کے وہابی صاف کہہ رہے ہیں،یہاں تک کہ انہوں نے نبی ﷺ کے متعلق کہا کہ آپ نہ اپنے خاتمے کا حال جانتے تھے اور نہ اپنی امت کے خاتمہ کا حال جانتے تھے۔

چنانچہ اس گمراہی کی نسبت دہلی سے میرے پاس ۱۳۱۸ھ میں سوال آیا تھا ،اس کے جواب میں میں نے ''انباءالمصطفیٰ بحال سرّو اخفیٰ '' لکھا اور وہابیہ پر قیامت کبریٰ قائم کی تو ایسا شخص اس چیز کی نفی کر رہا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ثابت فرمایا،اور اس کا قول اس کے ایمان کی نفی کرتا ہے، نیز اس کے زیاں کار ہونے کے لیے کافی و وافی ہے،وہ اپنے کفران کے سبب کافر و مرتد ہے، اور اس کا یہ قول کہ نبی ﷺ اپنے خاتمہ اور اپنی امت کے خاتمہ کا حال نہیں جانتے تھے دوسرا کفر ہے، کیوں کہ اس قول سے بہت سی روشن آیتوں کا انکار ہے۔

اس مضمون کے آخر میں ہم شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب

"مدارج النبوۃ" سے اپنے ناظرین کے سامنے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں ،جس کو اگر مسلمان ذہن میں رکھے، تو اس قسم کے اشکال جو قرآن عزیز کی آیات اور احادیث کریمہ کی ظاہری عبارتوں سے پیدا ہوتے ہیں نجات ملتی رہے گی، جناب شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"بداں کہ این جاادبے وقاعدہ ایں کہ بعض از اصفیاواہل تحقیق ذکر کردہ اندو شناخت آں ورعایت آں موجب حل اشکال وسبب سلامت حال است کہ اگر از جناب ربوبیت جل وتعالیٰ خطابے وعتابے و سطوتے وسلطنتے واستغنائے واستعلائے واقع شود"۔

تم جان لو کہ اس مقام پر ایک ادب وقاعدہ ہے ،جس کو بعض اصفیا ومحققین نے ذکر کیا ہے ،جس کا علم و لحاظ اشکال کے حل کا موجب وسلامتی حال کا سبب ہے، وہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر خدائے برتر کی بارگاہ سے کوئی خطاب وعتاب ودبدبہ وبے نیازی وسربلندی واقع ہو۔

"مثل انك لاتهدى ،وليحبطن عملك ،وليس لك من الامر شئ، وتريد زينة الحيوٰة الدنيا وامثال آں "

مثلا انك لاتهدى ،وليحبطن عملك، وليس لك من الامر شئ، وتريد زينة الحيوٰةالدنيا ،وغیرہ وغیرہ

"یااز جناب نبوت عبودتے وانکسارے وافتقارے وعجزے ومسکنتے بوجود آمد "۔

یابارگاہ نبوت سے بندگی، کسر نفسی ومحتاجی ،بے کسی وبے بسی وجود میں آئے۔

"مثلاً انما انا بشر مثلكم، اغضب كما يغضب العبد، ولااعلم وراء هذا الجدار، ومماادرى مايفعل بى ولابكم "۔ومانند آں مارا نباید کہ درآں دخل کنیم واشتراک جوئیم وانبساط نمائیم بر حدادب سکوت نمائیم۔

"مثلاً انما انا بشر مثلكم ،اغضب كما يغضب العبد، ولااعلم وراء هذا الجدار، ومماادرى مايفعل بى ولابكم "اور اس کے مثل تو ہمارے لیے

زیبا نہیں کہ اس میں دخل دیں اور اشتراک تلاش کریں، خوشی دکھائیں بلکہ بطور ادب خاموشی اختیار کریں۔

"خواجہ را رسد کہ بہ بندۂ خود ہر چہ خواہد کند،و ہر چہ خواہد گوید وبکند ،استیلا واستعلا نماید، وبندہ نیز باخواجہ بندگی وفروتنی کند ودیگرے راچہ مجال ویارائے آں کہ دریں مقام درآید ودخل کند وازحد ادب بیروں رود، وایں مقام جاے لغزش بسیارے از ضعفا وجہلا وضرر ایشاں است"۔[مدارج النبوۃ ،ج١ ،ص ٨٣]

خواجہ کو حق پہونچتا ہے کہ جو چاہے کرے اور جو چاہے کہے، غلبہ اور سر بلندی دکھائے ،اور بندہ بھی خواجہ کے ساتھ بندگی وعاجزی کرے، دوسرے کو کیا مجال کہ وہ اس مقام میں دخل دے، اور حد ادب سے باہر آئے ،یہ مقام بہت سے جہلا وضعفاکی لغزش کا مقام ہے اور ان کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے۔



انوار نبوت



دنیا کے عظیم انسانوں کی باتوں سے افراد انسانی کو دینی اور دنیوی معاملات میں عمل کے لیے راستہ ملتا ہے ،بڑے لوگوں کی بڑی باتوں سے جذبۂ عمل بیدار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عام لوگوں کو ان لوگوں کے اقوال و ارشادات بہت عزیز ہوتے ہیں حتیٰ کہ وہ لوگ جنہوں نے اس دنیا میں اولاد آدم کے صرف مادی اور سیاسی پہلوؤں پر زور دیا اور اس میں ان کو کسی حد تک کامیابیاں حاصل ہوئیں، ان کی ہر ہرادا اور ان کے ہر عمل کو انسانوں نے اپنے لیے باعث برکت و سعادت تصور کیا،حالاں کہ یہ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو انسانوں کو ان کے صرف مادّی ومعاشی پہلوؤں کی طرف مائل کرنے میں اپنی جدوجہد محدود رکھتے ہیں ،ان کی اخلاقی قدروں ،روحانی سعادتوں، ان زندگی کے بعد آنے والی حیات کے متعلق عقائد و خیالات سے ان کو کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

لیکن دنیا کے وہ عظیم انسان جو انسانوں کی ہدایت و رہبری کے عظیم کام پر مامور ہوتے ہیں، اور جن کی زندگی کا مشن دعوت حق کو فروغ دینا ہوتا ہے، وہ صرف معاشی پہلوؤں پر زور نہیں دیتے بلکہ بنی نوع انسان کی عام صلاح وفلاح ، نیکی و بھلائی ان کی روحانی سعادتوں پر اپنی تمام تر قوت و توانائی کو صرف کرتے ہیں، یہ انسانوں کا مقدس گروہ بڑا ہی پر خلوص ،دردمند اور انسانیت کی خیر خواہی کے جذبے سے لبریز ہوتا ہے، اس لیے ان کی اچھی باتوں سے بھولے بھٹکے انسان ہمیشہ ہدایت پاتے رہتے ہیں، بالخصوص پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ نے قوموں وجماعتوں میں روحانی انقلاب برپا کیا، اس لیے تمام افراد انسانی پر لازم ہے کہ ان کی باتوں کو پڑھ کر عمل کرنے کی جدوجہد کریں۔

اس سلسلہ میں ہم نے ارادہ کیا ہے کہ قسط وار سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

ارشادات طیبہ کو اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کریں ،کیوں کہ یہ کام بھی بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔

[۱] عن ابي الدرداء، قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم ماحد العلم الّذي اذا بلغه رجل كان فقيها؟ فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :من حفظ على امتي اربعين حديثا في امر دينها بعثه الله فقيها وكنت له يوم القيامة شافعًا وَّشهيداً"(مشکوۃ۔کتاب العلم۔۳۶)

حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ آدمی کتنا علم حاصل کر لے تو وہ فقیہ ہو جائے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: جو شخص میری امت کی نفع رسانی کے لیے دین کے معاملے کی چالیس حدیثیں یاد کر لے تو اس کو اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے دن فقیہ اٹھائے گا، اور میں اس کے لیے گواہ اور شفاعت کرنے والا ہوں گا۔

فائدہ:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص دعوت و تبلیغ کے لیے چالیس حدیثیں یادکرلے گا وہ قیامت کے دن فقیہ یعنی عالم کی شان وبان کے ساتھ اٹھایا جائے گا، مطلب یہ ہے کہ جو قدر و منزلت علماکی ہوگی اور جس اجر وثواب کے مستحق فقہاےکرام ہوں گے وہ بھی ان کا مستحق ہوگا، اگرچہ فرق مراتب رہے گا، اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی فرو گذاشتوں،ولغزشوں اور اس کے گناہوں کی معافی کے لیے بارگاہ خداوندی میں شفاعت فرمائیں گے اوراس کے حق میں نیکی کی گواہی دیں گے، مگر اس شفاعت و گواہی کے لیے ضروری ہے کہ چالیس حدیثیں یاد کرنے والا خود باعمل اور صحیح عقیدے کے ساتھ ایک دیندار مسلمان ہو ،اس لیے جو لوگ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیثوں کو مسلمانوں میں افتراق و انتشار اور سیاسی حربہ و مادی منفعت کے لیے استعمال کرتے ہیں یا خود حدیث پاک کے

انکار کے لیے سرکار کی حدیثوں سے دلیل پیش کرتے ہیں وہ اس اجر و ثواب اور بلند مرتبے کے سزاوار نہیں ہوں گے بلکہ وہ مستحق نار ہوں گے۔

[۲] عن المقدام بن معد یکرب قال: قال رسول الله ﷺ :الا انی اوتیت القرآن ومثله معه، الا یوشک رجل شبعان علی اریکته یقول: علیکم بهذا القرآن، فما وجدتم فیه من حلال فاحلوهُ وما وجد تم فیه من حرام فحرموه وان ما حرم رسول الله صلی الله علیه وسلم کما حرم الله الا! لا یحل لکم الحمار الا اهلی ولا کل ذی ناب من السّباع، ولالقطة معاهد الا ان یستغنی عنها صاحبها ومن نزل فعلیهم ان یقروه فان لم یقروه فله ان یعقبهم بمثل قراه"(مشکوۃ ص:۲۹)

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :آگاہ ہوجاؤ کہ میں قرآن اور قرآن کے ساتھ اسی کے مثل (یعنی حدیث) دیا گیا ہو ں،خبردار ہو جاؤ زمانۂ قریب میں ایک آسودہ حال آدمی اپنے تخت پر بیٹھا ہوا کہے گا کہ قرآن حکیم کو لازم سمجھو، جو چیز تم اس میں حلال پاؤ اسے حلال جانو اور جو چیز تم اس میں حرام پاؤ اسے حرام قرار دو ،حالاں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو حرام کیا وہ اسی طرح سے ہے جیسے اللہ نے حرام کیا، خبردار ہو جاؤ کہ گدھا تمھارے لیے حلال نہیں ہے اور نہ ہی دانت سے پھاڑ کر کھانے والے درندے اور نہ ہی ذمی کی گری ہوئی چیز جس سے معاہدہ ہو چکا ہو،اِلایہ کہ اس کو اس کی کوئی ضرورت نہ رہے، اور جو شخص کسی قوم کے پاس مہمان ہو تو ان کو اس کی مہمان نوازی کرنا چاہیے ،پس اگر وہ اس کی مہمان نوازی نہ کریں تو اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنی ضیافت کے مثل ان سے لے لے۔

فوائد:

اس حدیث پاک سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

{ا} یہ گمان فاسد ہے کہ صرف قرآن مقدس پر عمل کیا جائے گا ،اور سرکار کے ارشادات عالیہ یعنی احادیث کریمہ پر عمل نہیں ہوگا، جیسا کہ اس زمانے کے منکرین حدیث کہتے ہیں کہ حدیث کا یہ ذخیرہ قابل عمل نہیں، سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام قرآن مقدس کو پہنچا دینا ہے اور اس میں جو چیزیں حلال و حرام ہیں وہی چیزیں حلال وحرام رہیں گی، رہ گئیں احادیث کریمہ ان سے حلت وحرمت کا ثبوت نہیں ہوگا۔

نگاہ نبوت دیکھ رہی تھی کہ مستقبل میں کچھ ایسے صاحب ثروت، آسودہ حال اسلام کے دعویدار پیدا ہوں گے جن کی تحریک یہ ہوگی کہ احادیث کریمہ کی شرعی حیثیت کو مجروح کر دیا جائے، اور اس کے لیے طرح طرح کے حیلہ وحجت تلاش کریں گے، اس لیے آپ نے تنبیہ فرمائی کہ ایسے گمراہوں کی باتوں کی طرف مسلمانوں کو دھیان نہیں دینا چاہیے ،کیوں کہ یہ لوگ ایسے بدباطن ہوں گے کہ اپنے خبث باطنی کے لیے قرآن حکیم کی آیت کریمہ کو بطور سند اوردلیل پیش کریں گے، اور یہ لوگ اس حقیقت سے ناآشنا ہوں گے کہ مقام نبوت کیا ہے۔

نبی کی شان صرف یہی نہیں ہے کہ لوگوں تک قرآن حکیم کو پہنچا دیں اور اس میں جو حلال و حرام ہیں بس اسی کو حرام و حلال قرار دیں بلکہ ان کے پاس دو قسم کی وحی نازل ہوتی ہے، ایک وحی وہ ہے جس کو ہم قرآن کی شکل میں دیکھ رہے ہیں، دوسری وحی وہ ہے جو حدیث کی صورت میں پائی جا رہی ہے، یعنی ایک وحی واضح اور جلی ہے جو تلاوت کی جاتی ہے، اور دوسری وحی وہ ہے جس کی تلاوت نہیں ہوتی ہے ،ان دونوں سے شریعت کے احکام ثابت ہوتے ہیں، چنانچہ آپ نے قدرے تفصیل کے ساتھ ایسی حلال وحرام چیزوں کو بیان فرمایا جن کا ذکر

قرآن حکیم میں نہیں ہے، ان کی حلت و حرمت کا انکار سخت گمراہی وبدباطنی کی دلیل ہے، وہ بھی محض اس لیے انکار ہوکہ ان کا ثبوت قرآن حکیم سے نہیں ہے اور حدیث قابل عمل نہیں ہے، تو ایسی گمراہی کفر و انکار کی حدوں میں داخل ہوجاتی ہے، لہٰذا حضور نبی کریم فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت تنبیہ وہدایت فرمائی کہ ایسے لوگوں کی باتوں کی طرف میری امت کو توجہ نہیں دینا چاہیے، آپ نے فرمایا:"وان ماحرم رسول اللہ ﷺ کما حرم اللہ جل جلالہ" بلا شبہ جن چیزوں کو اللہ کے رسول نے یعنی میں نے بذریعہ وحی غیر متلو حرام کر دیا ہے وہ اسی طرح حرام ہیں جیسا کہ اللہ نے حرام کیا یعنی وحیٔ جلی اور قرآن مقدس کے ذریعہ ان کو حرام کیا گیا تھا۔

{ب}ائمہ کرام نے جملہ منکرین اسلام کو شرعی احکام کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، ایک وہ کافر جو مسلمانوں سے برسر پیکار یا اسلامی حکومت سے حرب وجنگ کی حالت میں رہے،ایسے کافر کا مال بطور غنیمت مسلمانوں کو لینا جائز ہے،دوسرے وہ کافر جو اسلامی ریاست سے امن حاصل کرلیں ،ایسے امن یافتہ کو کسی طرح کی کوئی اذیت نہیں پہنچائی جاسکتی ،اس کی جان و مال اور عزت و آبرو کی ہر طرح سے حفاظت کی جائے گی، تیسرے وہ کافر جو اسلامی حکومت کو تسلیم کرے اور حاکم اسلام سے اس کا معاہدہ ہو جائے کہ وہ اسلامی حکومت میں بحیثیت رعیت رہے گا اور اپنی حفاظت جان ومال،عزت و آبرو کے عوض میں اپنے حسب حال ٹیکس ادا کرتا رہے گا، اس کوذمی کہا جاتا ہے جس کی حفاظت و صیانت اسٹیٹ پر لازم ہے، ایسے شخص کی اگر کوئی چیز گم ہو جائے اور کسی مسلمان کو مل جائے تو اس کے اوپر لازم ہے کہ وہ اس کو واپس کرے یہ سمجھ کر کے کہ کسی دوسرے مذہب والے کی چیز ہے اس کو اپنے پاس رکھنا اور اس کو استعمال میں لانا قطعی طور پر ناجائزو حرام ہے، اسی کو سرکار دوعالم ﷺ نے"لقطة معاهد" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس کی حرمت پر تنبیہ فرمائی ہے۔

حدیث کے اس حصے سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت میں کتنے اعلیٰ درجہ کی امانت و دیانت پیدا کرنا چاہتے تھے۔

{ج} حضوراکرم ﷺ نے اپنی امت کو مکارم اخلاق کی تعلیم دی ہے،انسان کے اندر بڑی خوبی یہ ہے کہ اگر اس کے گھر پر کوئی مہمان آ جائے تو اس سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملے، اس کی ہر طرح سے دلجوئی کرے ،اپنی بات چیت اور اپنی شیریں کلامی سے اس کو اس طرح متاثر کرے کہ وہ اپنے کو بیگانہ تصور نہ کرے،انسان کی فطری کمزوری یہ ہے کہ اپنی کمائی کو دوسروں پر صرف کرنے سے خود کو کبھی آمادہ کرنے میں مجبور محض ہو جاتا ہے اور وہ یہ سوچتا ہے کہ میں نے اپنی محنت اور کوشش سے جو کچھ اپنے لیے حاصل کیا ہے اس کو دوسروں کے اوپر خرچ کرکے اپنی منفعت کو کیسے ضائع کردوں، لیکن وہ بھول جاتا ہے کہ جس کو وہ دوسرا قرار دے رہا ہے اگر وہ انشرح صدر کے ساتھ سوچے تو وہ دوسرا نہیں ہے بلکہ وہ اپنا ہی ہے کیوں کہ اسلامی معاشرے کا ایک فرد دوسرا نہیں ہوسکتا ،اسی لیے آپ نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی کے گھر میں مہمان بن کر آئے تو اہل خانہ کے لیے مستحب ہے کہ اس کی مہمان نوازی کریں، حدیث کے ان الفاظ پر غور کیجیے "فعلیھم ان یقروہ " اس قسم کے الفاظ جب عربی زبان میں استعمال کیے جاتے ہیں تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فلاں کام فلاں کے ذمہ لازم ہے، پس اگر چہ ضیافت و مہمان نوازی شرعًا واجب نہیں ہے، لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے وجوب ولزوم کے لفظ کو استعمال کرکے اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے، بلکہ بعض شراح حدیث کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کے درمیان اخوت و محبت کے جذبے کو ابھارنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمان نوازی کو لازم کیا تھا، لیکن جب ایسا اسلامی معاشرہ پیدا ہوگیا جس میں اخلاقی خوبیوں سے سماج کے افراد آراستہ ہو گئے تو آپ نے مہمان نوازی کے وجوب کو ساقط فرما دیا، مگر مہمان نوازی کوقیامت تک تمام امت کے لیے نہایت مستحسن امر آپ نے قرار دیا۔

{۳} عن جابر قال: جاءت ملائكة الى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو نائم فقالوا: انّ لصاحبكم هذا مثلاً، فاضربوا له مثلاً، قال بعضهم انه نائم، وقال بعضهم انّ العين نائمة وّالقلب يقظان، فقالوا مثله كمثل رجل بنىٰ دارًا وّجعل فيها مادبة وبعث داعيا فمن اجاب الدّاعي دخل الدار، واكل من المادبة ومن لم يجب الداعي لم يدخل الدار ولم ياكل من المادبة فقالوا:اولوها له يفق ههنا، قال بعضهم :انه نائم وقال بعضهم ان العين نائمة والقلب يقظان، فقالوا: الدار الجنة والدعي محمد فمن اطاع محمدا فقد اطاع الله، ومن عصى محمداً فقد عصى الله ومحمد فرق بين الناس''(مشکوۃص۲۷،باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سرکار دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں فرشتے آئے، اور آپ سوئے تھے، انہوں نے کہا کہ تمھارے اس صاحب کی ایک مثال ہے، تو اس کی مثال کو بیان کرو، ان میں سے بعض فرشتوں نے کہا کہ وہ تو سوئے ہوئے ہیں(یعنی جب وہ سوئے ہوئے ہیں تو مثال بیان کرنے سے کیا حاصل) اس کے جواب میں بعض نے کہا کہ ان کی آنکھ سوئی ہوئی ہے لیکن دل بیدار ہے، پھر انہوں نے مثال بیان کی کہ ان کی مثال ایسے شخص کی طرح ہے جس نے ایک عمارت تعمیر کی اور اس میں کھانے کا اہتمام کیا اور ایک بلانے والے کو لوگوں کے پاس بھیجا کہ ان کو کھانے کی دعوت دے تو جس نے داعی کی دعوت کو قبول کیا تو وہ گھر میں داخل ہوا اور تیار شدہ کھانے کو کھایا، لیکن جس شخص نے داعی کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو وہ نہ گھر میں داخل ہوا نہ تیار شدہ کھانے کو کھایا، پھر آپس میں فرشتوں نے کہا کہ اس مثال کی تشریح کروکہ وہ سمجھ جائیں، تو بعض نے کہا کہ بے شک آنکھیں سوئی ہوئی ہیں اور دل بیدار ہے، پھر فرشتوں نے یہ تشریح کی کہ گھر سے مراد جنت ہے اور بلانے والے محمد ﷺ ہیں تو جس نے محمد

ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی ،اور جس نے آپ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی ،اور محمد ﷺ حق و باطل ،کفر و ایمان کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔

اس حدیث پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے فرستادہ فرشتے آپ کی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے کہ آپ سوئے ہوئے تھے، انہوں نے باہمی گفتگو سے یہ واضح کیا کہ اگرچہ آپ سوئے ہوئے ہیں مگر آپ پر ایسی بے خبری اور غفلت کی نیند نہیں طاری ہوئی کہ بات کرنے والوں کی باتوں کو آپ محسوس نہ کر سکیں۔

آپ کی آنکھوں کو دیکھ کر یہی کہا جائے گا کہ سوئے ہوئے ہیں لیکن آپ کا قلب اس طرح بیدار رہتا ہے کہ جو کچھ اس دنیا میں ہوتا ہے اس کو آپ جانتے ہیں ،پھر فرشتوں نے یہ مثال بیان کی کہ ایک ایسا شخص ہے جس نے ایک عظیم الشان عمارت تیار کی اور اس میں کھانے کا اہتمام کیا پھر اس کھانے کے لیے ایک بلانے والے کے ذریعہ لوگوں کو دعوت دی گئی، کچھ لوگوں نے دعوت کو قبول کیا اور کچھ لوگوں نے قبول نہیں کیا، یعنی اللہ تعالیٰ نے جنت اور جنت کی نعمتوں کو پیدا فرمایا اور اس کی طرف دعوت دینے کے لیے سرکار کو مبعوث فرمایا، کچھ لوگ سرکار کی دعوت کو قبول کرکے اس بات کے مستحق ہوئے کہ وہ جنت میں داخل ہوں اور اس کی نعمتوں سے سرفراز ہوں اور کچھ لوگ نافرمانی کر کے اس کی نعمتوں سے محروم ہوئے۔

فوائد:

اس حدیث سے امور ذیل پر روشنی پڑتی ہے:

{الف} حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت عام انسانوں جیسی نہیں ہے، عام لوگ جب سو جاتے ہیں تو اس مادی دنیا کے واقعات وحوادث سے بے خبر ہو جاتے ہیں لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بے خبری کی نیند نہیں سوتے

جس سے ہونے والے واقعے کی ان کو خبر نہ ہو بلکہ آپ کی ہمیشہ یہ حالت تھی کہ انتہائی گہری نیند کی حالت میں ہوتے ہوئے بھی اپنے قلب مبارک کی آنکھوں سے اس مادی دنیا کی چیزوں کو دیکھتے تھے اور سنتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نیند بظاہر ایک ایسی مشترک حالت ہے جس میں انبیاے کرام اور دوسرے بندگان خدا شریک ہوتے ہیں مگر دونوں میں کھلا ہوا فرق ہے، ہم سو جائیں تو بالکل بے خبر ہو جاتے ہیں ،علم واحساس کے سارے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سو جائیں تو ان کے لیےعلم و ادراک کے دوسرے دروازے کھلے رہتے ہیں۔

وہ جاگیں تو خدا سے ہم کلامی
وہ سو جائیں تو معراج منامی

اس سے ثابت ہوا کہ محض اشتراک ظاہری سے نبی اور غیر نبی کی حالت کو یکساں نہیں قرار دیا جا سکتا ہے ،یہی وہ دقیق فرق ہے جس کو مسلمان کہلانے والے گمراہ فرقوں نے نہیں سمجھا اور سرکار کو عام انسانوں کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا۔

{ب}اس حدیث پاک میں فرشتوں نے یہ کہا کہ جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی ،اور جس نے آپ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

ظاہر ہے کہ فرشتے اللہ جل جلالہ کے حکم سے حاضر ہوئے تھے، اور جو کچھ انہوں نے کہا اس میں حکم خداوندی کی بجاآوری تھی، اس لیے اس سے ثابت ہوا کہ یہ حکم الٰہی ہے کہ جو شخص سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات عالیہ اور آپ کے دیئے ہوئے احکام پر عمل پیرانہ ہوا یا اس کا منکر محض اس لیے ہوا کہ اس کا ذکر قرآن پاک میں صراحتًا نہیں مل رہا ہے، تو بلاشبہ وہ گمراہ اور بے دین ہے۔

{ج}سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں کی زبان میں ''فرق بین الناس'' یعنی آپ کی ذات والا صفات حق و باطل ،ہدایت و ضلالت اور اسلام

وکفر کے درمیان فرق و امتیاز پیدا کرنے والی ہے، صداقت وراستی ، اور گمراہی وضلالت کا معیار اگر متعیّن کرنا ہو تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کو دیکھنا ہوگا ،جو آپ کے لائے ہوئے عقائد پر ایمان لائے گا وہ ایمان کی روشنی سے تابناک ہوگا ،جو آپ کا منکر ہو گا کفر و گمراہی کی ظلمت میں گرفتار الم ہوگا۔

مشہور محدث ابن جوزی نے اپنی کتاب ''الوفاء باخبار المصطفیٰ ﷺ'' میں ابن قتیبہ کی روایت کے حوالے سے آپ کی صفت ''فرق بین الناس'' کی وضاحت خوب خوب کی ہے، حضرت محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں اس کا ترجمہ فارسی زبان میں نقل فرمایا ہے، رقم طراز ہیں:

'' ابن قتیبہ روایت کردہ است کہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام مرحوارییں راگفت کہ می روم وبعداز من ''فارقلیط ''می آید کہ روح حق است کہ تکلم نمی کند از نزد نفس خود،ونمی گوید مگرآنچہ گفتہ می شود باوے،ووے شہادت می دہد بر صدق من ،وہر آنچہ آمادہ گردانیدہ است خداوند تعالیٰ برائے شما خبر می دہد شمار ابداں ''(اشعۃ اللمعات۔ج: ۱،ص:۱۲۷)۔

ابن قتیبہ نے روایت کیاہے کہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حواریین سے جو ان کے مخصوص صحابی تھے فرمایا کہ میں جا رہا ہوں میرے بعد ''فارقلیط'' آ رہا ہے جو روح حق ہے ،وہ اپنی طرف سے گفتگو نہیں کرے گا، وہ وہی کہے گا جو اس سے کہلوایا جائے گا، میری صداقت کی گواہی دے گا، جو کچھ اللہ کی جانب سے تمھارے لیے ہونے والا ہے، اس کی اطلاع وہ تم کو دے گا۔

آگے چل کر حضرت شیخ فرماتے ہیں:

''ودر حکایت ''یوحنا ''کہ یکے از حوارییں است آمدہ کہ مسیح گفت فارقلیط نمی آید شمارا تا آں کہ نمی روم من ،وچوں می آید توبیخ می کند عالم را بر گناہان ونمی گوید سخن از پیش خود وسیاست می کند شمارا بہ حق وخبر می دہد شمارابہ حوادث غیوب کہ می

آید شمارابہ اسرار،وبیان میکند شماراہرچیزرا،وگواہی می دہد برائے من چنانکہ گواہی میدہم من برائے او ،ومی آرم من برائے شما مثلہا را، ومی داردوے تاویل وتفسیر آں را"(ایضا)۔

"یوحنا" جو کہ حضرت مسیح کے مخصوص صحابی تھے، ان کے واقعے میں آیا ہے کہ حضرت مسیح نے فرمایا" فارقلیط "تمھارے پاس نہیں آئے گا مگر یہ کہ میں تم سے رخصت ہو جاؤں گا، جب وہ آئے گا تو اس شان کے ساتھ آئے گا کہ تمام عالم کو گناہوں پر جھنجھوڑ ڈالے گا، اور وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہے گا، اور وہ تم کو حق کی تنبیہ کرے گا ،اور آنے والے واقعات اور غیب کی باتیں اور اسرار کو تم سے بیان کرے گا، اور میری صداقت و راستی کی گواہی دے گا جیسے کہ میں اس کی سچائی کی گواہی دے رہا ہوں، میں نے تمھارے واسطے تمثیلات پیش کیے ہیں، وہ آئے گا تو ان کی توضیح و تشریح کرے گا۔

کاش مسیحی دنیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر تسلیم کرتے ہوئے ان کو "ابن اللہ" کہتی ہے ،حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان بشارتوں سے فیض حاصل کرتی تو یقین و ایمان کی دولت سے مالا مال ہوتی۔

{۴}حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ تین شخص اصحاب کرام میں سے سرکار علیہ السلام کی ازواج مطہرات کے پاس آئے ،اور آپ کی عبادت کا حال اور اس کی کیفیت و مقدار پوچھا ،جب ان کو آپ کی عبادت کی تفصیل بتائی گئی تو گویا انہوں نے اس کو کم سمجھا اور اپنے خیال کے مطابق انہوں نے کہا کہ ہم کہاں اور سرکار کہاں ،ان کے رتبے تو بہت بلند ہیں،یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کا اگلا اور پچھلا سب کچھ بخش دیا ہے،"**وقد غفر اللہ لہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر**"۔

پھر ان میں سے ایک شخص نے کہا، میں تو ہمیشہ رات بھر نماز پڑھتا رہوں گا، اور دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھتا رہوں گا اور کبھی روزہ ترک نہ کروں

گا، اور تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ تھلگ رہنے کا ارادہ کرتا ہوں تو کبھی شادی نہ کروں گا، اسی اثنا میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا:

''انتم الذي قلتم كذا وكذا،اما والله انى لا خشكم لله واتقاكم له ولكنّي اصوم وافطر واصلي وارقد واتزوج النّسآء، فمن رغب عن سنتي فليس مني''۔

کیا تمہیں لوگ یہاں ایسی ایسی باتیں کر رہے تھے؟ غور سے سنو، خدا کی قسم میں تم سب میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا، تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں، لیکن اس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں، اور کبھی روزہ ترک کر دیتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور شادی بھی کرتا ہوں، جس شخص نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔

فوائد:

اس حدیث پاک سے امور ذیل پر روشنی پڑتی ہے:

{الف} سرکار علیہ الصلوٰۃوالسلام کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین قرب الٰہی اور اپنی نجات کے لیے ہمیشہ نیک کاموں میں مصروف رہنے کا جذبہ رکھتے تھے ،یہی وجہ ہے کہ ان میں سے کچھ لوگوں نےامہات المومنین کی خدمت میں حاضر ہوکرسرکار علیہ الصلوٰۃوالسلام کی عبادت و ذکر الٰہی کی تفصیل دریافت کی اور جب ازواج مطہرات نے آپ کے معمولات کی تفصیل بیان کی تو ذوق عبادت کی وجہ سے انہوں نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبادت کو تھوڑا تصور کیا اور اپنی نجات کے لیے اس کو کافی نہیں جانا ،لیکن اس کمی کو آپ کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے صراحتًا آپ کی ذات اقدس کی طرف منسوب نہیں کیا (یہ صحابۂ کرام کاغایت درجہ کا ادب و احترام ہے) بلکہ یہ خیال ظاہر کیا کہ سرکار کا مرتبہ تو

بہت بلند ہے، اور آپ کے دامن عصمت پر گناہوں کی آلودگی کا دھبہ نہیں آسکتا، اس لیے کہ خداے تعالیٰ نے آپ کو معصوم پیدا کیا ،لیکن ہم لوگوں سے خدا جانے کتنی فروگزاشتیں ہوتی رہتی ہیں اس لیے گناہوں سے آلودگی کا امکان ہے،پس ہماری بخشش و نجات کے لیے ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ عبادت کریں، بلکہ پوری زندگی خوشنودیٔ رب میں صرف کریں ،اسی وجہ سے کسی نے کہا کہ ہم رات بھر نماز پڑھتے رہیں گے، کسی نے کہا کہ ہم ہمیشہ روزہ رکھتے رہیں گے، کسی نے ازدواجی زندگی سے الگ تھلگ رہنے میں اپنی کامیابی تصور کیا۔

آپ غور فرمائیں کہ خداے پاک کے یہ نیک بندے کتنے حسن نیت کے ساتھ اپنی اخروی فلاح کے لیے شوق عبادت ظاہر کر رہے ہیں، لیکن چونکہ اسلام کی تعلیم ہر کام حتیٰ کہ عبادت میں بھی میانہ روی و اعتدال کی تعلیم ہے، اس لیے سرکاردوعالم ﷺ نے اپنے اس قول ''انتم الذی قلتم کذاوکذا''کیا تمہیں لوگ ایسی ایسی باتیں کر رہے تھے، سخت برہمی کا اظہار فرمایا، اس سے ثابت ہوا کہ کوئی خواہ کتنے ہی حسن نیت کے ساتھ عبادت الٰہی میں حد سے تجاوز کرے جس سے حقوق انسانی کی ادائیگی میں کوتاہی ہو اسلام کے نزدیک سخت ناپسندیدہ امر ہے۔

{ب}بعض نافہموں نے 'قد غفر الله له ماتقدم من ذنبه وماتاخر'' کے اردو ترجمے میں یہ لکھ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معاذاللہ گناہ کی نسبت آپ کی طرف بھی ہو سکتی ہے، حالاں کہ اردو زبان و ادب میں لفظ ''گناہ''' قابل مواخذہ جرم'' کو بولا جاتا ہے، اس لیے اس کا اطلاق سرکاردوعالم ﷺ پر نہیں ہوسکتا۔

در حقیقت ان الفاظ پر زیادہ غور و فکر سے کام نہیں لیا گیا ورنہ یہ بات بڑی آسانی کے ساتھ سمجھ میں آ سکتی تھی کہ جملہ ''قد غفر الله له ماتقدم من ذنبه وماتاخر'' سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعزاز و تکریم کے لیے ہے، چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ:

''در توجیہہ غفران ذنوب آنحضرت ﷺ کہ قرآن مجید بداں ناطق است اقوال است ، بہترین اقوال آں است کہ ایں کلمہ تشریف است ازجانب مولیٰ تعالیٰ بےآنکہ ذنب وجود داشتہ باشد ،چنانکہ صاحب مربندۂ خودرا بگوید کہ گناہان ترابخشیدیم توفارغ البال باش وہیچ اندیشہ مکن وتوجیہہ مشہور آں‌ست حسنٰت الابرار سیٔات المقربین'۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غفران ذنوب میں جس کی شہادت قرآن حکیم دے رہا ہے چند اقوال ہیں، بہترین قول یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اعزازو تکریم کا کلمہ ہے، حالاں‌کہ سرکار کی جانب سے گناہ کا وجود نہیں ہو سکتا، جیسے کوئی مالک اپنے غلام خاص کو کہے کہ ہم نے تمھارے گناہوں،لغزشوں‌و غلطیوں کو معاف کر دیا، حالاں کہ اس نے کوئی غلطی نہیں کی تھی ،تم مطمئن رہو اور کسی چیز کی فکر نہ کرو اور مشہور تو یہ ہے کہ نیک لوگوں کے اچھے کام مقربین بارگاہ ایزدی کے حق میں قابل مواخذہ ہو جاتے ہیں۔

{ج}اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ فطری طریقہ یہ ہے کہ انسان زندگی کے لوازم سے راہ فرار اختیار نہ کرے اور اپنی جائزخواہشات کے پورا کرنے میں اسلام کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل پیرا ہو جائے، رضاے الٰہی اور خدا رسیدگی کے لیے ضروری نہیں ہے کہ انسان تجرد کی زندگی اختیار کرکے رہبانیت کے راستے پر گامزن ہوجائے، اس لیے جوگیوں جیسی زندگی گزارنا اور ترک دنیا کرنا یہ صرف غیر فطری طریقۂ زندگی ہے ،بلکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ زندگی سے بہت دور چلا جانا ہے جو نامرادی اور خسران کا باعث ہوگا۔

اس لیے راہبانہ زندگی اختیار کر کے اس خیال میں مگن رہنا (جب کہ اس سے حقوق العباد کی ادائیگی میں خلل واقع ہوتاہو) کہ ہم خدا تک پہنچ جائیں گے فریب نفس اور وسوسۂ شیطانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، اسلام ہم کو سکھاتا ہے کہ ہم بندوں‌اور خدا کے حقوق ادا کرتے ہوئے کارگاہ حیات میں اپنی جدوجہد جاری

رکھیں، اسی لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں روزہ رکھتا ہوں اور کبھی روزہ ترک کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور ازدواجی زندگی گزارتا ہوں، میرے طریقۂ زندگی پرسب کو عمل پیرا ہونا چاہیے ،اس سے روگردانی مجھ سے بے تعلقی اور محرومی کا باعث ہوگی، اس لیے وہ تمام متصوفین جو بہت سارے قیود کے ساتھ خدا رسیدگی کے لیے یہ ضروری بتاتے ہیں کہ ترک علائق ہونا چاہیے اور تجرد کی زندگی گزارنا چاہیے، درحقیقت ایسے لوگ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے جادۂ مستقیم سے ہٹے ہوئے لوگ ہیں، قرآن عزیز نے اس کی سخت تردید فرمائی ہے۔

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾۔[المائدۃ:۸۷]

اے ایمان والو !وہ ستھری چیزیں حرام نہ ٹھہراؤ جن کو اللہ نے تمھارے لیے حلال کیا، اور حد سے نہ بڑھو بیشک حد سے بڑھنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔

مفسرین کرام اس آیت کی شان نزول میں بیان کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام کی ایک جماعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ سن کر ایک روز حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالی عنہ کے یہاں جمع ہوئی ، اور انہوں نے باہم ترک دنیا کا عہد کیا اور اس پر اتفاق کیا کہ وہ ٹاٹ پہنیں گے، ہمیشہ دن میں روزہ رکھیں گے،پوری رات عبادت الٰہی میں بیدار رہ کر گزاریں گے، بستر پرنہ لیٹیں گے،گوشت اور چکنائی نہ کھائیں گے، اور خوشبو نہ لگائیں گے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کے اس عہد و پیمان کا علم ہوا ،تو آپ نے ان پر سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھ کو اس بات کی اطلاع ملی ہے کہ آپ لوگوں نے ترک دنیا کا عہد کیا ہے، صحابۂ کرام نے عرض کی کہ ہم نے اس سے نیکی وبھلائی کا ارادہ کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پر جلال الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے:

”اني لم اومر بذلك ،ثم قال :ان لا نفسكم عليكم حقا فصوموا اوا

فطروا وقوموا وناموا فاني اقوم و اصوم وافطروآكل اللحمة والدسم وآتي النّساء ومن رغب عن سنتي فليس مني".

میں اس بات کا حکم نہیں دیا گیا ہوں ،بے شک تمھارے نفوس کے لیے تم پر حق ہے، تم روزہ رکھو اور روزہ کو چھوڑ دو، خدا کی عبادت بھی کرو اور سوؤ بھی ،کیوں کہ میں خدا کی عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ رکھتا ہوں اور ترک کر دیتا ہوں، گوشت بھی کھاتا ہوں اور چکنی چیز بھی ،اور عورتوں سے تعلقات بھی رکھتا ہوں، تو جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تنبیہ وہدایت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ صحابۂ کرام کو جمع فرما کر ایک عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا کہ:

"ما بال اقوام حرمو النساء والطعام والطيب والنوم وشهوات الدنيا اني لست آمركم ان تكونوا قسيسين ورهبانا فانه ليس في ديني ترک اللحم والنساء ولا اتخاذ الصوامة وان سياحة امتي الصوم ورهبا نيتها الجهادوا عبدو الله ولا تشركوا به شيأً وّحجوا واعتمروا واقيموا الصلاة وآتوا الزكاة وصوموا رمضان واستقيموايستقسم لكم فانّماهلك من كان قبلكم بالتشديد، شددوا على انفسهم فشدد الله عليهم"(مرقاۃ المفاتیح،ج ا ص:۱۸۲۔۱۸۳)۔

ان لوگوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے اوپر عورتوں کو حرام کرنے کا ارادہ کیا ہے ، خوشبو، نیند، کھانے، پینے کے ترک کا عزم کیا ہے، اور دنیا کی خواہشات سے بے تعلقی کا ،میں تم کو حکم نہیں دیتا ہوں کہ راہب اور تارک الدنیا بن جاؤ، میرے دین میں ترک لحم اور عورتوں سے انقطاع تعلق نہیں ہے، نہ یہ کہ کٹیا بنائی جائے، میری امت کی سیروتفریح روزہ ہے اور ان کی رہبانیت جہاد ہے، تم لوگ اللہ کی پرستش کرو اور اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو،حج وعمرہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، رمضان مقدس کا روزہ رکھو اور تم اعتدال و استقامت

اختیار کرو، تمھارا دین درست رہے گا، تم سے پہلی قومیں اپنے نفوس پر سختی کے باعث برباد ہوگئیں، انھوں نے اپنے نفوس کے اوپر سختی کی تو اللہ تعالی نے ان پر سختی فرمائی۔

گویا نگاہ نبوت دیکھ رہی تھی کہ دین اور عبادت کے معاملے میں اگر ان کو میانہ روی کی تلقین نہ کی گئی تو حدّ اعتدال سے تجاوز کر جائیں گے، اس لیے آپ نے مختلف طریقے سے تجرد اور رہبانیت کی زندگی سے منع فرمایا،کیوں‌کہ یہ غیر فطری طریقۂ زندگی ہے، جس سے فساد پیدا ہو سکتا ہے، اور اخروی زندگی بھی تباہ ہو سکتی ہے۔

(۵)''عن ابي موسى قال :قال رسول الله ﷺ :مثل ما بعثني الله به من الهدى والعلم كمثل الغيث الكثير اصاب ارضا فكانت منها طائفةطيبه قبلت الماء فانبتت الكلاء والعشب الكثير وكانت منها اجادب امسكت الماء فنفع الله بها الناس فشربوا وسقوا، وزرعوا واصاب منها طائفة اخرى انما هي قيعان لا تمسك ماء ولا تنبت كلاء فذالك مثل من فقه في دين الله ونفعه ما بعثني الله به فعلم وعلم ومثل من لم يرفع بذالك راسا ولم يقبل هدى الله الذي ارسلت به''۔
(صحیح البخاری، حدیث نمبر ۷۹)

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مجھے اللہ تعالی نے جس ہدایت اور علم کو دے کر بھیجا ہے اس کی مثال موسلادھار بارش کی طرح ہے جو زمینوں پر برسے، زمین کے ایک اچھے اور زرخیز ٹکڑے نے اس پانی کو اپنے اندر جذب کیا پھر ان سے خشک و تر گھاسیں اگائیں، جس سے وہ سرسبز و شاداب ہوگئیں، اور زمین کا ایک حصہ جس نے پانی کو اپنے اوپر روک لیا تھا اللہ تعالی نے اس پانی سے لوگوں کو نفع پہنچایا ،انھوں نے پیا اور جانوروں کو پلایا، اور اپنے کھیتوں کی آب پاشی کی اور زمین کے ایک ایسے حصے کو

بارش پہنچی جو بالکل چٹیل میدان تھا جس میں سبزہ اگانے کی صلاحیت نہیں تھی، بالکل بنجر تھا جو نہ پانی کو روک سکتا ہے اور نہ گھاس کو اگا سکتا ہے، پس یہ مثال اس شخص کی ہے جس نے دین کی سمجھ بوجھ حاصل کی اور میرے لائے ہوئے پیغام و ہدایت وعلم سے فائدہ پہنچایا تو اس نے علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور اس شخص کی مثال ہے جس نے اس کی طرف سر نہ اٹھایا اور نہ اس ہدایت کو قبول کیا جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں۔

تشریح حدیث:

اس حدیث پاک میں اس علم کو جو وحی الٰہی کے فیضان سے حاصل ہو باران رحمت سے تشبیہ دی گئی ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق کی طرف فیضان وحی کا واسطہ بناکر سحاب رحمت کے مشابہ قرار دیا گیا ہے، اور قلوب انسانی کو زمین کے مطابق بتایا گیا، یہ تشبیہہ اتنی لطیف اور فطری ہے کہ روح انسانی میں اگراس کی لطافت کا صحیح ادراک پیدا ہو جائے تو اس سے وہ وجد میں آسکتی ہے۔

فضا میں بادل چھا جاتے ہیں، قدرت الٰہی کے ایک اشارے سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، لیکن قبول و صلاحیت کے لحاظ سے سب زمین یکساں نہیں ہوتیں ، وہ زمین جس میں قوت نشوونما ہوتی ہے یعنی زرخیزی کی صلاحیت اس کے اندر بدرجہ اتم پائی جاتی ہے، وہ اپنے سینے کے اندر بارش کے قطروں کو جذب کرکے سبزےاگا دیتی ہے، چاروں طرف بہار ہی بہار نظر آتی ہے، گویا زمین پر سبزے کا فرش بچھا دیا جاتا ہے، مردہ زمین میں زندگی کےآثار نمایاں ہوجاتے ہیں، لیکن ایک دوسری زمین ہوتی ہے جس میں جذب و قبول کی صلاحیت نہیں پائی جاتی، باران رحمت کا نزول اس پر بھی ہوتا ہے، فقدان صلاحیت سے اس میں زندگی کے آثار نمایاں نہیں ہوتے، بارش کے قطروں سے اس کے ظاہر پر نمی و تراوٹ پائی جاتی ہے لیکن اندر کا حصہ پہلے کی طرح خوشک رہتا ہے، اس ظاہری تراوٹ

کو دیکھ کر بعض اوقات اس کے سبزہ اگنے کی امید کی جاتی ہے مگر یہ فریب نظر ثابت ہوتا ہے ،کیوں کہ جس کی فطرت میں خشکی پائی جائے وہ بھی اس طرح کہ ایک قطرۂ آب اپنے اندر جذب نہ کر سکے اس سے نشوونما کی امید رکھنا عبث ہے۔

بعض زمین ایسی ہوتی ہیں کہ بارش کے بعد اس پر ایک قطرہ آب بھی رک نہیں پاتا اس لیے اس سے روئیدگی اور سرسبزی کی امید نہیں کی جاسکتی وہ پہلے کی طرح بے آب و گیاہ رہتی ہے، اس پر باران رحمت کا اثر مرتب نہیں ہو سکتا ،کیوں کہ اس کی فطرت میں روئیدگی کی صلاحیت نہیں پائی جاتی، اس کو خداے تعالیٰ نے اپنے کلام میں بتایا کہ:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰٓي اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ، وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ﴾

(الاعراف:۵۷۔۵۸)

اور وہی ہے کہ ہوائیں بھیجتا ہے اس کی رحمت کے آگے مژدہ سناتی ،یہاں تک کہ جب جب اٹھا لائیں بھاری بادل ہم نے اسے مردہ شہر کی طرف چلا یا، پھر اس سے پانی اتارا، پھر اس سے طرح طرح کے پھل نکالے، اسی طرح ہم مردوں کو نکالیں گے ،کہیں تم نصیحت مانو اور جو اچھی زمین ہے اس کا سبزہ اللہ کے حکم سے نکلتا ہے، اور جو خراب ہے اس میں نہیں نکلتا مگر تھوڑا بمشکل ،ہم یوں ہی طرح طرح سے آیتیں بیان کرتے ہیں ان کے لیے جو احسان مانیں۔

پس تم ٹھیک انھیں زمینوں کی طرح قلوب انسانی کی زمینوں کو تصور کرو، انوار نبوت کا فیضان تمام قلوب انسانی پر ہوتا ہے، لیکن بعض شخص وہ ہوتے ہیں جو علوم نبوت سے خود مستفیض ہوتے ہیں اور دوسروں تک ان کا فائدہ پہنچا تے ہیں،گویا وہ ایسی زمین ہیں جس کی زرخیزی وشادابی سے دوسروں کومستفیض

ہونے کا موقع ملتا ہے، اور بعض انسان ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ظاہر پر ہدایت و علم کی تھوڑی بہت روشنی پائی جاتی ہے، مگر ان کا باطن علم و یقین سے بالکل محروم ہوتا ہے، اس کے ظاہر سے لوگوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے وہ خود محروم ہوتا ہے، تیسری قسم کے انسان وہ ہیں کہ ہدایت کے سحاب رحمت کی کتنی ہی بارشیں ہوں ان کا ظاہر و باطن کسی طرح متاثر نہیں ہوتا۔

گویا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس تشبیہ بلیغ کے اندر فیضان نبوت کی عمومی حیثیت کو واضح فرمایا ہے، اور ردّ و قبول کے لحاظ سے اصناف انسانی کی حیثیت کو متعیّن کیا ہے، اس لیے جیسے بارش سے ہر مردہ زمین میں روئیدگی اور سرسبزی نہیں پائی جاسکتی حالاں کہ اس کا فیضان عام ہے اسی طرح وحی الٰہی کا فیضان سب پر ہوتا ہے تاہم ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص رشد و ہدایت کی منزل کو پا لے، بہت سی محروم روحیں ایسی ہیں کہ ہدایت کی بارشوں کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا ہے،اس لیے وہ گمراہی کے دلدل میں گرفتار رہیں گی۔

(۶)”عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ :مثلی کمثل رجل استوقد ناراً، فلما اضاءت ما حولھا جعل الفراش وھٰذہٖ الدّوابّ الّتی تقع فی النار یقعن فیھا وجعل یحجزھن و یغلبنہ فیتقحمن فیھا قال: فذالك مثلی و مثلکم انا آخذ بحجزکم عن النار ،ھلم عن النار، ھلم عن النار، فتغلبونی تقحمون فیھا“۔(مسلم شریف۔ج:۲۔ص:۱۴۸۔باب شفقتہ صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے :حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری مثال ایک ایسے شخص کی ہے جس نے آگ جلائی، جب اس کے ارد گرد روشنی پھیل گئی تو پروانے اور وہ کیڑے مکوڑے جو آگ میں گرتے ہیں اس میں گرنے لگے، حالاں کہ وہ شخص آگ میں گرنے سے روکتا ہے ،لیکن وہ سب اس پر غالب آجاتے ہیں اور آگ میں بے تحاشہ کودہی پڑتے ہیں، یہ میری اور تمھاری مثال ہے ،میں تمہیں آگ سے بچانے کے لیے تمھاری کمر کو پکڑتا ہوں اور کہتاہوں کہ میری طرف آؤ، آگ سے بچو، آگ سے بچو ،مگر تم میرے اوپر غالب آجاتے ہو، تم آگ میں کود ہی پڑتے ہو۔

شرح حدیث :

حضور اکرم ﷺ نے امت پر اپنی شفقت ورافت واضح کرنے کے لیے اس حدیث پاک میں ایک تمثیل بیان فرمائی ہے ،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی ذات اقدس کو ایک آگ روشن کرنے والے شخص کے مشابہ بتایا ،اور اپنی امت کو پروانوں کے مانند فرمایا جو ہجوم خواہشات میں جلتی ہوئی آگ کے شعلوں میں جل کر خاکستر ہوجاتے ہیں، دنیاکی آگ کو جو آخرت کا ایک معمولی حصہ ہے آخرت کے آگ کے مثل قراردیا، ان امورسے حسب ذیل نکات پر روشنی پڑتی ہے :

{الف}اپنی ذات اقدس کو ایک آگ جلانے والے آدمی کے مثل بتانے سے آپ کی اعلیٰ وارفع ذات نبوت ورسالت کی بلندسطح سے نیچی سطح پر آکر عام انسانوں جیسی ہےلیکن آپ نبوت کے اتنے اونچے مقام پر فائز ہیں کہ اس پر قدسیوں کا گروہ (ملائکہ مقربین)بھی نہیں پہونچ سکتے ،چنانچہ حضرت علامہ ابوبکر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ شرح ترمذی میں اس حدیث کے ذیل میں اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ اس تمثیل سے سرکار کی ذات مقدسہ نیچی سطح پر نہیں آتی ، وہ فرماتے ہیں کہ خداے قدوس نے قرآن عزیز کے متعدّد مقامات میں اپنی ذات کی مثال ”آدمی“ سے بیان فرمائی ہے حالاں کہ ذات باری حدوث کی صفتوں اور نقص کی علامتوں سے منزہ ہے اور اس کی ذات پاک ہے کہ ناپسندیدہ امور اس میں پائے جائیں، تمام وہ چیزیں جو انسانیت کے لائق ہیں خدا کی ذات اس سے بلند و برتر ہے۔(شرح ترمذی)

یعنی جب اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی مثال کسی اہم حقیقت کے واضح کرنے کے لیے آدمی سے پیش کی جاسکتی ہے ،تو سرکاردوعالم ﷺ کی مثال آدمی سے کیوں نہیں پیش کی جاسکتی ،آپ سب سے اعلیٰ و ارفع ہیں،اور آپ کے رتبے کی بلندی تک کسی مخلوق کا پہنچنا محال ہے۔

پھر علامہ ابوبکر بن عربی رحمۃ اللہ علیہ قرآن حکیم کی آیت کریمہ سے جو تمثیلات الٰہیہ میں سے ایک اہم تمثیل ہے اپنے دعوے پر سند پیش کرتے ہیں:

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا﴾(الزمر:۲۹)

اللہ ایک مثال بیان فرماتا ہے ایک غلام میں کئی بدخو آقا شریک، اور ایک نرے ایک مولیٰ کا، کیا ان دونوں کا حال ایک سا ہے؟۔

اس آیت کریمہ میں مشرک و مومن کے حالات کی عکاسی کی گئی ہے، خدائے پاک ارشاد فرماتا ہے کہ ایک غلام ایسا ہے جس کے بہت سے آقا ہیں، ان سب کی خواہش ہوتی ہے کہ غلام صرف اس کی خدمت گزاری میں اپنا وقت صرف کرے، اور غلام اس فکر میں رہتا ہے کہ سب کی خدمت بجا لائے ،سب اپنی طرف کھینچتے ہیں ،ایسی حالت میں وہ کشاکش ذہنی میں مبتلا رہتا ہے ،وہ عالم حیرانی میں سوچتا ہے کہ کس کی خدمت کرے کس کی نہ کرے، کس کو خوش رکھے کس کو ناخوش، اپنی ضرورتوں میں کس پر اعتماد کرے ،اور اپنے رزق کا طالب کس سے ہو، عجیب و غریب کش مکش کی حالت میں اس کی زندگی گزرتی ہے، وہ قلبی راحت و سکون نہیں حاصل کر پاتا، ہمیشہ اس اضطراب و بے چینی کی زندگی گزارتا ہے، اس کے برعکس ایک دوسرا غلام ہے، جو ایک شخص کی آقائی میں رہتا ہے، اور یکسو ہو کر اسی ایک کی خدمت گزاری میں اپنا وقت صرف کرتا ہے،اسی سے اپنی روزی کا طلب گار ہوتا ہے، اپنی حاجتوں اور ضرورتوں میں اسی سے مدد کا طالب اور اسی کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے، بڑے اطمینان و سکون کی زندگی گزارتا ہے، وہ ذہنی اضطراب وانتشار میں مبتلا نہیں ہوتا ،قرآن کہتا ہے: میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا ان کی حالت یکساں ہے، تم کو ان دونوں کی زندگی میں کوئی تفاوت نظر نہیں آتا؟یقیناً تم یہی جواب دو گے کہ دونوں غلاموں کی زندگیوں وحالتوں میں بڑا فرق ہے، ایک ایسا ہے جو ایک ذات کی خدمت کرکے بڑے چین کی زندگی گزار رہا ہے، دوسرا وہ ہے جو بہت سے آقاؤں کی خدمت گزاری میں اپنی راحت و سکون سب کچھ کھو بیٹھا ہے۔

بس تم اسی طرح ایک مشرک اور ایک موحد کو سمجھو، مشرک اوہام طلسم میں گرفتار ہوکر در در کی ٹھوکریں کھاتا ہے ،خدا پرست مومن ایک خدا کی عبادت کرکے سکون قلب حاصل کرتا ہے۔

اس قرآنی مثال میں غور کرو ،وہ بندہ جو مخلوق ہے ،جس کے اندر حدوث کی علامتیں پائی جاتی ہیں ،جس کے تمام کمال میں زوال کا راز مضمر ہے، جس کی پوری زندگی تغیر پذیرہے، جو رفتہ رفتہ فنا کی منزل سے قریب ہوتا ہے ،یعنی ایک حادث مخلوق، فانی بندہ کی حیثیت، ذات خالق قدیم(جو عیبوں سے پاک ،حدوث کی علامتوں سے منزہ ہے) کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے، شان بندگی اور شان الوہیت میں کیا نسبت ؟ذرے کی حیثیت آفتاب کے مقابلے میں ہوتی ہے، لیکن بندے کی حیثیت ذات باری کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ،کہاں ایک عاجزو لاچار کہاں رب السماوات والارض، مالک ومختار، تاہم اس ذات بے ہمتا نے اس آیت کریمہ میں اپنی تمثیل ایک آدمی کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ انسان کے ساتھ اگر کوئی مثال پیش کی جائے تو یہ شان الوہیت کے خلاف نہیں ہے ،کیوں کہ انسان کا ذہن ناقص مفاہیم عالیہ کا ادراک مثال کے ذریعہ آسانی کے ساتھ کر لیتا ہے، اسی طرح حدیث پاک میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایک آگ جلانے والے انسان کے مثل قرار دیا گیا، تو اس سے شان رسالت کی تنقیص نہیں ہوتی نہ ہی آپ نبوت کے بلند مقام سے انسانیت کی عام سطح پر آ جاتے ہیں، پس اگر کوئی شخص محض اس وجہ سے کہ سرکار نے اپنے کو ایک آدمی کے مشابہ بتایا اور اسی قسم کی تمثیل قرآن حکیم میں منافق کی حالت کی وضاحت کے لیے مذکور ہے۔

﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّآ أَضَآءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَٰتٍ لَّا يُبْصِرُونَ﴾(البقرۃ:۱۷)

ان کی کہاوت اس کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی تو جب اس سے

آس پاس سب جگمگا اٹھا، اللہ ان کا نور لے گیا، اور انہیں اندھیریوں میں چھوڑ دیا کہ کچھ نہیں سوجھتا۔

اس حدیث سے انکار کا بہانہ یوں تلاش کرے کہ اس سے شان رسالت کی تنقیص ہوتی ہے، تو میرے نزدیک یہ نہ صرف جہالت وبے علمی پر مبنی ہے بلکہ اپنی کج روی کے لیے اپنے اختراع ذہنی سے ایک بہانہ تلاش کیا گیا ہے، کیوں کہ ان قرآنی اور نبوی تمثیلوں میں الفاظ کے اشتراک سے یہ استدلال سر تا سر غلط ہے، ارباب دانش جانتے ہیں کہ جب دونوں تمثیلوں میں وجوہ تشبیہہ الگ الگ ہیں تو دونوں کو یکساں کیسے قرار دیا جا سکتا ہے، قرآن حکیم میں منافق کو ایسے آگ جلانے والے لوگوں کے مشابہ بتایا گیا جن کے چاروں طرف روشنی پھیل گئی لیکن ان کی حرماں نصیبی کے باعث خداے قدوس نے ان روشنیوں کو بجھا کر ان کو تاریکیوں میں پہنچا دیا، یہ جب روشنی کے بعد تاریکی میں پہنچ گئے تو روشنی کی ایک کرن سے بھی محروم ہو کر ایسی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں سرگشتہ و حیران ہوئے،ایسے ہی منافق کا حال ہوتا ہے، اور تمثیل نبوی میں سرکار دوعالم ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا کہ میں اس شخص کی طرح ہوں جس نے آگ روشن کی سارا ماحول تابناک ہوگیا ،روشنی چاروں طرف پھیل گئی تو پروانے اپنے جذبات کے ہجوم میں آگ میں کودنے لگے ،وہ شخص پروانوں پر بڑا شفیق و مہربان ہے، آگ میں جل کر خاکستر ہو جانے اور نیست ونابود ہونے سے ان کو بچانے کی کوشش کرتا ہے، مگر اس کی تدبیر کارگر نہیں ہوتی، پروانے آگ میں کود کر اپنے کو ہلاک کر ڈالتے ہیں۔

اسی طرح تم آگ میں کودنا چاہتے ہو ،ہواے نفسانی میں گرفتار ہو کر آتش دوزخ کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھنا چاہتے ہو، اور میں تمھاری کمر پکڑ کر بچانا چاہتا ہوں۔

اس تمثیل نبوی ﷺ اور قرآنی تمثیل میں واضح طور پر فرق محسوس کیا جا سکتا ہے، قرآن حکیم میں منافق کی حیرت وسرگشتگی کو واضح کیا گیا ہے، اور حدیث

شریف میں سرکار دوعالم ﷺ کی شفقت ورأفت کو بیان کیا گیا ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ آپ انسانیت کے کتنے ہمدرد اور اس کے اوپر شفیق و مہربان ہیں۔

لہٰذا قرآن حکیم اور حدیث پاک کے بعض الفاظ کی یکسانیت سے شان رسالت کی تنقیص تلاش کرنا پھر ان کو حدیث کے ساقط الاعتبار ہونے کی دلیل میں پیش کرنا کج فہمی کا ثبوت اور جہالت کی دلیل ہے۔

{ب}انسان پروانوں کے مانند ہوتا ہے ،اسی کی طرح شہوات نفسانی میں گرفتار ہوتا ہے ،اور کبھی بھلائی یا برائی میں امتیاز نہیں کر پاتا، اور جذبات کے ہجوم میں بربادی کے اسباب کو اپنے لیے بہتر تصور کرتا ہے، اس طرح منکرات وفواحش کی ہلاکت خیزیاں اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوجاتی ہیں، اوربدی کے برے نتائج اس کے اخروی زندگی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

{ج}پروانہ اپنی نادانی و جہالت کے باعث آتش سوزاں کی حقیقت سے نا آشنا ہوتا ہے، انسان پر بھی ایسی غفلت طاری ہوتی ہے کہ وہ گناہوں و معصیت کاریوں کے مفاسد سے لاعلم ہو جاتا ہے ،حتیٰ کہ جو شخص اس کو اس کی غفلت سے آگاہ کرتا ہے اور برائیوں سے بچانے کی فکر کرتا ہے وہ اس کی طرف دھیان نہیں دیتا ،کوئی کیسی ہی خیر خواہی کے ساتھ شہوات کی آگ کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھنے میں اس کو روکنے کی کوشش کرے مگر وہ اس طرح بے تابا نہ آگے بڑھتا جاتا ہے کہ ایسا خیر خوا ہ وشفیق بھی مغلوب ہوجاتا ہے۔

{د}پروانے کی نفسیات کا جائزہ پیش کرنے والوں نے یہ بتایا ہے کہ وہ تاریکی میں رہتا ہے، پھر جب جلتی ہوئی آگ اور اس کے شعلوں وکرنوں کو دیکھتا ہے تو اس کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی روشندان ہے ،جس سے کرنیں نکل رہی ہیں، اس کی طرف تیزی کے ساتھ پرواز کرتے ہوئے جلتی ہوئی آگ میں کود کر خاکستر ہو جاتا ہے، اسی طرح جب انسان پر برے عقائد اور شہوات نفسانی کا غلبہ ہو جاتا ہے تو اس کی عقل پر ایسا پردہ پڑ جاتا ہے کہ اپنی مضرت رساں چیزوں یعنی

مناکر و مناہی کو اپنی بھلائی کی چیز تصور کرتا ہے،ان سے احتراز کے بجائے انہیں میں کود پڑتا ہے، اس طرح اپنی ذات کو ہلاکتوں کی آگ میں جھونک دیتا ہے، حالاں کہ وہ عقائدونظریات نہایت فاسد خیالات ہوتے ہیں جو اس کو تباہی کی طرف لے جانے والے ہیں۔

قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ (الانعام:۱۰۸)

یوں ہی ہم نے ہر امت کی نگاہ میں اس کے عمل بھلے کر دیے ہیں ،پھر انہیں اپنے رب کی طرف پھرنا ہے۔

اور ایک دوسری آیت کریمہ میں آخرت کے منکرین کی حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ (النمل:۴)

جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے اعمال ان کی نگاہ میں بھلے کر دیے ہیں تو وہ بھٹک رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تمثیل سے واضح ہوتا ہے کہ آپ انسان کے نفسیات کو کتنی گہری نگاہ سے دیکھتے تھے ،اور پھر اس کی ہدایت وتنبیہ میں کتنا شفیق و مہربان تھے، ان الفاظ سے کہ انسان تیزی کے ساتھ پروانہ وار آگ میں کودنا چاہتا ہے، اور میں اس کی کمر مضبوطی کے ساتھ پکڑ کر آگ میں ہلاک ہونے سے بچانا چاہتا ہوں سرکار کی شفقت و رحمت کا ادراک یک گونہ کیا جا سکتا ہے۔

(۷)’’وعن ابي موسى قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: انما مثلي ومثل ما بعثني اللهّ به كمثل رجل اتىٰ قوماً فقال يا قوم اني رأيت الجيش بعينيّ واني انا النذير العريان فالنجاء، النجاء، فاطاعه طائفة من قومه فاد لجوا فانطلقوا علىٰ مهلهم فنجوا، وكذبت

طائفة منهم، فاصبحوا مكانهم، فصبحهم الجيش، فاهلكهم واجتاحهم، فذالك مثل من اطاعني،فاتّبع ما جئت ومثل من عصاني وكذّب ما جئت به من الحق''(متفق علیہ، صحیح البخاری، حدیث: ۷۲۸۳)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فی الحقیقت میری اور اس چیز کی جس کو دے کر مجھ کو اللہ نے بھیجا ہے، اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کسی قوم کے پاس آیا اور کہا کہ اے قوم میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر کو دیکھا ہے، اور میں صحیح واقعے سے خبردار کرنے والا ہوں، تم جلد اپنی حفاظت کرو ، اس قوم میں سے کچھ لوگوں نے اس کی بات مان لی، اور بہ عجلت تمام رات کی تاریکی میں نکل گئے تو وہ نجات پا گئے، اور کچھ لوگ اس کو جھوٹا قرار دے کر صبح تک اپنی جگہ میں موجود رہے، لشکر نے صبح کے وقت ان کو پا لیا تو ان کو ہلاک، تباہ و برباد کر دیا، یہ مثال اس شخص کی ہے جس نے میری اطاعت کی اور میرے لائے ہوئے احکام کی پیروی کی، اور اس شخص کی ہے جس نے میری نافرمانی کی اور میرے لائے ہوئے احکام کو جھٹلایا جو بالیقین حق ہے۔

شرح حدیث:

عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص کسی دشمن کی فوج کو دیکھتا تو اپنے کپڑے اتار کر سر پر رکھ لیتا اور چلتا ہوا آکر اپنی قوم کوخبر دار کرتا،وہی برہنہ ڈرانے والا ''النذیر العریان'' تھا پھر اس لفظ کا اطلاق ہر ایسے شخص پر کیا گیا جو دشمن کے حملہ آور فوج سے اپنی قوم کو آگاہ کرے چاہے فی الواقع وہ برہنہ نہ ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث پاک میں اپنی ذات کو ایسے شخص سے تشبیہ دے کر انسان کو اس کی بداعمالیوں کے برے نتائج سے اپنے کو ڈرانے والا بتایا، گویا کوئی ایسی فوج ہے جو انسانیت پر حملہ آور ہونا چاہتی ہے، آپ اس سے اولاد آدم کو خبردار کرنا چاہتے ہیں۔

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے کو ایسے شخص سے تشبیہ دی جو اپنی قوم کو دشمن کے حملہ آور لشکر سے بچانے کی فکر میں رہتا ہے، وہ شخص بڑا ہی مخلص اور اپنی قوم کا ہمدرد ہوتا ہے، لیکن اس کی قوم اس کی صداقت کا یقین نہیں کرتی۔

نہ ہی دشمن کی حملہ آور فوج کی خبر پاکر اپنی حفاظت و سلامتی کے لیے مکمل طور سے تیاری کرتی ،ہاں کچھ لوگ ضرور ہوتے ہیں جو اس کی باتوں پر یقین کرکے اپنے بچاؤ کی تدبیرکرتے ہیں ،اور دشمن کی ہلاکت خیزیوں سے بچ جاتے ہیں،لیکن زیادہ ترلوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس کی باتوں پر دھیان نہیں دیتے ،الٹے اس کو ہی جھوٹا بتلاتے ہیں ،بالآخر ناگہانی طور پر حملہ آور لشکر اس کو تباہ و برباد کر دیتا ہے، بنی نوع انسان کے کون سے ایسے ہلاکت برپاکرنے والے دشمن ہیں جن سے نجات کی تدبیر کے لیے سرکار نے اپنے کو"نذیرعریان"کے مشابہ بتایا، پورے عالم انسانیت پر مختلف قسم کے دشمنوں کا دھاواہے، ایک ایسی بدی کی قوت ہے جس کو مذہب کی زبان میں" شیطان" کہا جاتا ہے، اور جس کا وجود خارجی دنیا میں پایا جاتا ہے، اور انسانوں پر اس کے برے اثرات ہمہ گیر ہوتے ہیں، حتیٰ کہ ان کے رگ و ریشے میں وہ دوران خون کی طرح دوڑتا رہتا ہے، اس کے برے اثرات ،وسواس، خیالات باطلہ، اوہام کی صورت میں انسان کے اندر پائے جاتے ہیں، سب سے بڑا حملہ آور دشمن یہی شیطان اور اس کی ذریات ہیں، یہی وہ ہے جو انسان کو برائیوں کی ترغیب دیتا ہے، بدی کو نیکی اور نیکی کو بدی کی شکل میں پیش کرتا ہے، اس کی کارستانی ہے کہ وہ برائی کو ایسا آراستہ کرتا ہے کہ انسان اس کے اوپر فریفتہ ہوکر اپنی ہلاکت کا سامان تیار کرتا ہے۔

دوسرا انسان کا بڑا دشمن خود اس کی ذات میں موجود ہے، وہ اس کا نفس امّارہ ہے جو خواہشات و جذبات کی آگ میں اس کو جھونکنا چاہتا ہے۔

تیسرا دشمن خود انسان کے بعض افراد ہوتے ہیں، اس پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے، وہ اس مادّی اور محسوس دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں ،ان کو دنیا کی زندگی

کا بڑا اعتبار ہوتا ہے ،وہ اپنی نفس پرستی کے لیے اپنے جیسے دوسرے انسانوں پر ظلم و تعدی کا بازار گرم رکھتے ہیں، ان کی نگاہوں سے نیکی اور بدی کا فرق وامتیاز اس طرح اوجھل ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی برائیوں اور بدکاریوں سے اولاد آدم کو تباہ و برباد کرنے میں بڑا فخر محسوس کرتے ہیں، وہ خونخوار درندوں کے مانند ہوتے ہیں، جو انسان کا خون چوس کر اپنے نفس کی بھوک و پیاس کی آگ بجھاتے ہیں، وہ نہ خود صحیح راستے پر چلتے ہیں نہ دوسروں کو سیدھے راستے پر چلنے دیتے ہیں ،وہ اس دار فانی کی زندگی کے بعد آنے والی اخروی زندگی کا یقین نہیں رکھتے، اس لیے ان کو اپنے بداعمالیوں کی فکر نہیں ہوتی۔

یہی وہ سب "اعداے انسان" ہیں جو اولاد آدم کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں، ان کی دنیاوی زندگی میں تباہی و بربادی کے آلات حرب و جنگ پیدا کرتے ہیں، اور آنے والی آخرت کی زندگی کی ہلاکت کا باعث ہوتے ہیں۔

سرکار علیہ الصلاۃ والسلام انہیں دشمنان انسانیت سے نجات کے لیے احکام و شرائع کا نسخۂ کیمیا لائے ،جو شخص آپ کی اطاعت و فرماں برداری میں کمر بستہ ہو گیا اور آپ کی صداقت کا اس کو یقین کامل ہو گیا تو وہ ایسے ہلاکت خیز تباہی مچانے والے تمام دشمنوں سے رہائی حاصل کرکے دارین کی سعادتوں سے مالا مال ہوگیا، دنیا کی زندگی میں ناکام و نامراد نہ ہوا اور آنے والی ابدی زندگی میں بھی کامیاب و بامراد رہے گا۔

لیکن جس نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین و شریعت کی پیروی نہیں کی بلکہ آپ کی سچائی کا یقین نہ کر کے نافرمانی کے جرم کا مرتکب ہوا، اس پر ان تمام دشمنان انسانیت کا حملہ بڑا شدید ہوتا ہے، وہ بظاہر دنیا کی زندگی میں کتنا ہی آسودہ حال و خوشحال نظر آئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہلاکت اس کا مقدر بن چکی ہے۔

انہیں سب معارف کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمثیل سے خوب

خوب واضح کیا ،آپ کی اس تمثیل کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جب تک انسان میری اطاعت و فرماں برداری کی راہ پر نہیں چلے گا اس کو ہمیشہ ان دشمنوں سے خطرہ لگا رہے گا ،اگر انسان تحفظ و سلامتی چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ میں جن برے امور اور و بداعمالیوں کے نتائج سے ڈراتا ہوں ان تمام سے اپنی ذات کو محفوظ بنا لیں۔

{۸}"عن معاذ بن جبل قال اوصاني رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بعشر كلماتٍ و قال: لا تشرك بالله شيئًا وان قتلت وحرّقت، ولا تعقنّ والديك وان امراك ان تخرج من اهلك ومالك ولا تتركنّ صلاةً مّكتوبةً متعمّداً، فان من ترك صلاة مكتوبة متعمداً فقد برئت منه ذمّة الله، ولا تشربنّ خمراً فانّه رأس كل فاحشة، وّاياك والمعصية ،فانّ بالمعصية حل سخط الله وايّاك والفرار من الزحف وان هلك النّاس ،واذا اصاب النّاس موتٌ وانت فيهم فاثبت، وانفق علىٰ عيالك من طولك ولا ترفع عنهم عصاك ادبًا وّاخفهم في الله (رواه احمدُ)"(بحواله مشكوة المصابيح، ج۱ ،حديث: ٥٦)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں پر عمل پیرا رہنے کی تاکید فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اگرچہ تم قتل کر دیے جاؤ اور آگ میں جلا دیے جاؤ، ہرگز ہرگز والدین کی نافرمانی نہ کرنا اگرچہ وہ تم کو بال بچوں اور گھر بار چھوڑ کر نکل جانے کا حکم دیں، جان بوجھ کر نماز فرض ترک نہ کرنا، بلاشبہ جس نے قصداً نماز چھوڑ دی تو وہ اللہ کے حفظ و امان سے بری ہو گیا، اور کبھی بھی شراب مت پینا کیوں کہ وہ تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے ،اور گناہ سے بچتے رہنا کیوں کہ گناہ سے عذاب الٰہی کا نزول ہوتا ہے، جہاد میں بھاگنے سے اپنے کو بچائے رکھنا اگرچہ لوگ ہلاک ہو جائیں، اور جب لوگوں میں کوئی وبائی بیماری پھیل جائے اور تم موجود ہو تو ثابت قدم رہو، اپنے بال بچوں پر اپنے حسب استطاعت خرچ کرو، اور ادب سکھانے کے لیے مارنے کی ضرورت پیش آئے تو مارو، اور اللہ کے بارے میں ان کو ڈراؤ۔

یہ وہ دس احکام ہیں جن پر عمل پیرا ہونے کی تاکید سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک جاںنثار صحابی کو فرمائی ،گوکہ روے سخن ایک ذات کی طرف ہے لیکن مراد تمام آپ کے امتی ہیں، اگر ان احکام پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے تو ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے، پھر اس بات پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ ان احکام میں سے بیشتر پر قرآن حکیم نے اپنے معجزانہ اسلوب بیان سے جابجا مناسب موقعے پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، اگر ان سب کا احصاکیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے، اس لیے ان ''عشر کلمات'' کی وضاحت بطور اختصار مناسب ہوگا۔

(۱)آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، اگرچہ تم قتل کر دیے جاؤ اور آگ میں جلا دیے جاؤ۔

توحید الٰہی اسلام کے بنیادی عقائد میں سے سب سے مقدم عقیدہ ہے جس پر قرآنِ حکیم کے اندر مختلف پیرایۂ بیان میں تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے، دلائل آفاق و انفس کے ذریعہ نہایت دل نشین انداز میں خدا پرستی اور توحید پرستی کو ثابت کیا گیا ہے، شرک اس کے بالکل ضد اور اس کے خلاف عمل عقیدہ ہے، اس لیے اس کے ردوابطال سے پورا قرآن بھرا ہوا نظر آتا ہے۔

چنانچہ سورہ بقرہ کی وہ پہلی آیت جس میں عبادت الٰہی و خدا پرستی اور توحید ایزدی کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہے :

''یٰاَیُّھا النّاسُ اعْبدوا ربکم الّذی خلقکم والّذین من قبلکم لعلکم تتّقون الّذی جعل لکم الارض فراشاً وّالسَّمآءَ بِناۤءً وّانزل من السّماءِ ماۤءً فاخرج بہ من الثّمرات رزقاً لکم''۔

اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمھیں پیدا کیا، اور ان سب کو پیدا کیا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ، جس نے تمھارے لیے زمین فرش کی طرح بچھا دی اور آسمان کو عمارت بنا دیا ،اور آسمان سے پانی اتاراتو اس سے کچھ پھل تمھارے رزق کے لیے نکالا۔اس کے بعد ارشاد فرمایا:

﴿فلا تجعلوا للہ اندادًا وّانتم تعلمون﴾پس اللہ کے لیے جان بوجھ کر برابر والے نہ ٹھہراؤ۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ توحید پرستی وعبادت الٰہی کے کس قدر منافی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک کیا جائے، اگر کوئی شخص خدا کی عبادت بھی کرے اور اس کے ساتھ شرک کی آلودگیوں میں بھی ملوث رہے تو یہ عبادت بالکل رائیگاں ہو جاتی ہے، قرآن حکیم کی ایک دوسری آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾(الانعام:۸۸)

یہ اللہ کی ہدایت ہے کہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ان کا کیا کرایا اکارت ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور شرک دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے، شرک کے بعد سارا کیا کرایا اکارت ہو جاتا ہے، یہ وہ ظلم عظیم ہے کہ خدائے برتر و توانا اپنی عظمت و جلال کے خلاف پاکر اس کو کسی صورت میں معاف نہیں کر سکتا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا﴾(النساء:۴۸)۔

بیشک اللہ تبارک و تعالیٰ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفروشرک کیا جائے ،اورکفر و شرک کے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہتا ہے معاف فرما دیتا ہے۔

اسی وجہ سے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ جیسے صاحب عزیمت صحابی سے ارشاد فرمایا کہ تمہیں آگ میں جلا کر ہلاک کرنے کی دھمکی دی جائے تو بھی تم شرک نہ کرنا ورنہ حالت اکراہ میں اگر زبان سے کلمات کفر و شرک محض تحفظ جان کے لیے بول دے تو جائز ہے، بشرطیکہ طمانیت قلب زائل نہ ہو۔

قرآن حکیم میں توحید کے اثبات ،اور شرک کے ردّ و ابطال پر جس قدر زور

دیا گیا ہے ، اور مختلف پیرایۂ بیان سے اس پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، اس سے بعض نادان اس غلط فہمی کا شکار ہوگئے کہ معمولی معمولی باتوں پر شرک ہونے کا فتویٰ دے ڈالا۔

دوسری طرف بعض وہ امور جو صرف ذات باری کے لیے زیبا ہیں، بزرگوں کی بارگاہ میں ان کو اپنی نیازمندی اور عقیدت کے اظہار کا ذریعہ بنا لیا گیا، مثلاً غیراللہ کا سجدۂ تعظیمی کرنا بعض لوگوں نے جائز قرار دے دیا، اس کی حرمت پر دلیل قطعی موجود ہے، خود سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعدّد حدیثوں میں غیر اللہ کے سجدے کو تاکیدی حکم کے ساتھ ممنوع و حرام قرار دیا، یہ دونوں گروہ اعتدال کی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔

(۲)سرکار نے ارشاد فرمایا کہ ہرگز ہرگز والدین کی نافرمانی نہ کرنا، اگرچہ وہ تم کو بال بچوں اور گھر بار چھوڑ کر نکل جانے کا حکم دیں۔

آپ کے اس تاکیدی حکم سے صاف ظاہر ہے کہ والدین کی نافرمانی اور ان کی حکم عدولی کتنا بڑا گناہ ہے، اس گناہ کبیرہ کا احساس اس وقت زیادہ نمایاں ہوگا جب ہم قرآن حکیم کی متعدّد اُن آیات کا مطالعہ کریں جن میں والدین کے ادب و احترام ،ان کی تعظیم و تکریم ،ان کے ساتھ حسن سلوک اور نیک برتاؤ کے تاکیدی حکم دیے گئے ہیں، اور اس بات پر بھی نظر رہے کہ توحید الٰہی اور خدا پرستی کے بعد قرآن حکیم کے اندر ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا، چنانچہ ارشاد فرمایا گیا:

﴿وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ {سورۃالبقرۃ:۸۳}

وہ وقت یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا ،اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡــًٔـا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا﴾{النساء:۳۶}

اور اللہ کی بندگی کرو، اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔

اہل کتاب کو مخاطب فرما کر کے ارشاد فرمایا گیا:

﴿قُلۡ تَعَالَوۡا اَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمۡ عَلَيۡكُمۡ اَلَّا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡــًٔـا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا﴾(الانعام:۱۵۱)

آپ فرمائیے :آؤ میں تمھیں پڑھ کر سناؤ ں جو کچھ تمھارے پروردگار نے تم پر حرام کر دیا ہے، یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ ،اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شب معراج میں جو احکام الٰہیہ عطا ہوئے تھے، ان کی تفصیل سورۂ بنی اسرائیل میں مذکور ہے ارشاد فرمایا گیا:

"وقضیٰ ربُّك الاّ تعبدوٓا اِلاّ ایّاہُ وبالوالدین احساناً اِمّا یبلغلن عندك الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لّھما اُفٍّ وّلا تنھرھما وقُل لّھما قولاً کریما وَ اخۡفِضۡ لھما جناح الذُّل مِنَ الرَّحۡمَۃِ وقُل رَّبِّ ارۡحَمۡھُمَا کما رَبَّیٰنِیۡ صغیراً"(بنی اسرائیل:۲۴)۔

اور تمھارے رب نے حکم دیا کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو،اگر تیرے سامنے ان میں کا ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے "کلمۂ اذیت "اُف نہ کہو اور نہ انھیں جھڑکی دو ،اور ان سے تعظیم کی بات کہو،ان کے لیے نرم دلی سے عاجزی کا بازو بچھاؤ اورعرض کرو اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا پوسا(یعنی شفقت ومحبت کے ساتھ میری تربیت کی)۔

اس آیت کریمہ میں ماں باپ کے بارے میں پانچ حکم دیے گئے ہیں: پہلا یہ کہ ہر حالت میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ ہونا چاہئے، دوسرا یہ کہ جب وہ

بڑھاپے کی اس منزل کو پہنچ جائیں جس میں ان کو خدمت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور ان کی طرف سے کچھ ایسی باتوں کا ظہور ہو سکتا ہے جو طبیعت پر گراں گزرے ،تو ایسے وقت میں ان کے ساتھ سخت کلامی اور ایذارسانی نہیں ہونی چاہیے، تیسرا یہ کہ ہر حالت میں ماں باپ کے ساتھ ادب واحترام کے دائرے سے باہر نہیں ہونا چاہیے بلکہ جب ان سے بات کی جائے تو ان میں نرمی ومتانت ملحوظ رہے،چوتھا یہ کہ ان کے ساتھ ہمیشہ شفقت ورحمت کے جذبے کا مظاہرہ ہونا چاہیے ،کبھی بھی ان کے ساتھ تندخوئی اور سخت مزاجی سے پیش نہیں آنا چاہیے، پانچواں یہ کہ ان کے لیے خداے قدوس کی بارگاہ میں رحم و کرم کی دعا کرنی چاہیے، ان تمام آیات میں غور کرو کہ خداے قدوس نے عبادت الٰہی و توحید پرستی کے ساتھ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم کتنی تاکید کے ساتھ دیا ہے ، اس سے واضح ہوا کہ حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد میں سب سے اہم حقوق والدین کے ہیں، اسی لیے سورہ لقمان کے اندر حضرت لقمان نے اپنے صاحبزادے کو جو نصیحت فرمائی تھی وہ تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے، اس میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿وان جاهداك عَلىٓ اَنۡ تُشۡرِكَ بی مالیس لك به علمٌ فلا تطعهما وصاحبهما﴾

اگر وہ دونوں تجھ سے کوشش کریں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں ہے، تو ان کی باتیں نہ ماننا۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں جن دس تاکیدی احکام کو بیان کیا گیا ہے ان میں سے دو پر قرآن حکیم کی آیت کریمہ سے روشنی ڈالی گئی، تیسرا حکم نماز کے متعلق ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

(۳)ہرگز ہرگز جان بوجھ کر نماز کو ترک نہ کرنا، بلاشبہ جس نے قصداً نماز چھوڑ دی وہ اللہ کی حفظ و امان سے دور ہو گیا۔

حضرت شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

"ظاہر حدیث وجوب قتل تارک صلاۃ است وہمیں‌ست مذہب شافعی وبعض ائمہ دیگر ،ودرمذہب حنفیہ ومالکیہ اورابایدزدوبندوزنداں فرمود ،وگفتہ اند صحابہ ہیچ گناہے رامتسم بکفرنمی داشتندمگر ترک صلاۃ را "(اشعۃ اللمعات ج ا ص۸۷)

ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تارک نماز کو قتل کرنا واجب ہے، اور یہی امام شافعی اور بعض دوسرے ائمہ کرام کا مذہب ہے، اور حنفی، مالکی مذہب میں اس کو مارا جائے گا، صحابہ کرام کسی گناہ کو علامت کفرنہیں تصور فرماتے تھے، مگر ترک صلاۃ کو کفرکی علامت تصور فرماتے تھے۔

حضرت شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس شرح و بیان سے نماز کی اہمیت واضح ہوتی ہے، نماز عبادت الٰہی میں‌وہ اہم ترین عبادت ہے کہ ائمہ کرام میں سے بعض جلیل القدر امام تارک صلاۃ کے لیے آخری سزا یعنی قتل کا حکم صادر فرماتے ہیں ،چنانچہ امام احمد بن حنبل ، اسحاق بن راہویہ، عبداللہ بن مبارک، امام نخعی کا مذہب یہ ہے کہ ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوکر قتل کا سزاوار ہو جاتا ہے، اور اس کے اوپر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، نہ ہی مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔

تکمیل ایمان نماز سے ہے:-

عہد رسالت میں صحابہ کرام میں سے بعض جلیل القدر صحابہ کسی عمل کے ترک کوکفر نہیں قرار دیتے تھے، مگر تارک صلاۃ کو دائرہ اسلام سے خارج تصور فرماتے تھے، حضرت فاروق اعظم، عبد الرحمن بن عوف، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، معاذ بن جبل، ابو ہریرہ ،ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ایسے مقدس صحابہ کرام ہیں جو تارک صلوٰۃ کو اسلام سے خارج قرار دیتے تھے، سلف صالحین کے عہد مبارک میں ایک مسلمان کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا تھا کہ جان بوجھ کر وہ نماز کو چھوڑ دے گا، درحقیقت ارکان اسلام میں سے نماز وہ عظیم الشان رکن ہے جس کے بغیر ایک مومن کامل کا تصور نہیں

کیا جاسکتا ،ایمان کی تکمیل نماز کے بغیر نہیں ہوسکتی ،بندہ اپنے خالق عزوجل سے قلبی رابطہ رکھتا ہے ،وہ یہ کہ اس کے اوپر ایمان لاتا ہے، اس کی ذات و صفات کو تسلیم کرتا ہے،ضروریات دین کو مانتا ہے، لیکن اس کے ایمان و اذعان میں یاد الٰہی سے غفلت کی بنا پر ضعف و ناتوانی پیدا ہوسکتی ہے، اس عقیدے کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اعضا و جوارح سے ایسے اعمال و حرکات کا ظہور ہو جو براہ راست ذات خداوندی سے رابطۂ قلبی میں مضبوطی پیدا کرتے ہوں، اور ان اعمال صالحہ میں نماز اولین عبادت ہے، جو دن میں پانچ مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں عجز و نیاز کی پیشانی کو جھکا کر بندہ اپنے معبود حقیقی کو یاد رکھتا ہے، اس طرح وہ اپنے ایمان کامل کا مظاہرہ عملی طور پر کرتا ہے، اس لیے اگر کوئی شخص نماز کو ترک کرتا رہے اور اپنی زبان سے اپنے متعلق مومن کامل ہونے کا دعویٰ کرے ،تو اس کا یہ دعویٰ غلط بایں طور ہو جاتا ہے کہ اس پر جو دلیل تھی یعنی نماز اس کا فقدان ہے، اسی لیے قرآن مقدس کے اندر منافقین کی صفات میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ بظاہر نماز پڑھتے ہیں مگر مارے باندھے، اور تساہلی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، گویا شان ایمان یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی نہایت خوش دلی اور ذوق و شوق کے ساتھ ہونی چاہیے، اوراگر بدذوقی اور سستی کے ساتھ نماز پڑھی جائے تو یہ ایمان کامل کی علامت نہیں ہے، بلکہ نفاق کی صفات میں سے ہے، گوکہ ہم ایسے شخص کو اس زمانے میں منافق نہیں کہہ سکتے ہیں تاہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اس کے اندر نفاق کی صفتوں میں سے ایک صفت پائی جاتی ہے۔

منافق کی نماز:

قرآن حکیم میں منافقین کے حالات کا تذکرہ اور ان کے حرکات کا بیان تفصیلا ہوا ہے، ان میں وضاحت کی گئی کہ وہ سستی و کاہلی کے ساتھ مارے باندھے نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں۔چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِذَا قَامُوٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوا كُسَالٰى يُرَآءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾(النساء:۱۴۲)

اور جب منافقین نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، تو کسمساتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں ، محض لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں ،اور اللہ کو بہت ہی کم یاد کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں ایسے لوگوں کی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو مادّی منفعت کے حصول کے لیے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے کہ وہ نہایت سستی وکاہلی کے ساتھ بڑی بے دلی سے نماز پڑھنے کو کھڑے ہوتے ہیں۔

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ دور حاضر میں جو مسلمان پائے جاتے ہیں ،ان میں سے بیشتر کی بھی حالت یہی ہے کہ ذوق وشوق کےساتھ نماز نہیں پڑھتے، بلکہ نماز کے چھوڑ نے میں کوئی جھجھک نہیں محسوس کرتے، گویا اس دور کے مسلمان کی حالت نماز کے بارے میں عہد رسالت کے منافقین کی حالت سے بدرجہا بدتر ہے، نعوذ باللہ من ذالک، حالاں کہ صفت نفاق ایسی بدترین صفت ہے کہ کسی منافق کی کوئی عبادت بدنی یامالی قبول نہ کی جائے گی، چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

﴿وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ إِلَّآ أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَبِرَسُولِهٖ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كٰرِهُونَ﴾(التوبة:۵۴)

اور منافقین کی خیرات کے قبول نہ ہونے کی سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے انکار کر دیا ہے، اور وہ نماز کو آتے ہیں تو محض سستی سے آتے ہیں، اور وہ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں محض ناگواری سے خرچ کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ منافق کی تمام عبادتیں رائیگاں ہو جاتی ہیں، اور ان کا کوئی اجر وصلہ دنیا و آخرت میں اس کو نہیں مل سکتا ،ساتھ ہی

یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ وہ نماز پڑھتا ہے تو نہایت بد ذوقی اور کاہلی کے ساتھ نماز پڑھتا ہے ،اس سے معلوم ہوا کہ کاہلی اور سستی کے ساتھ نماز پڑھنا شان مومن کے خلاف ہے۔

مومن کی نماز:

اس کی حالت یہ ہونی چاہیے کہ جب وہ نماز ادا کرے تو ذوق و شوق ،عجزو نیاز اور خشوع و خضوع کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں کھڑا ہو کر نماز ادا کرے، چنانچہ ارشاد فرمایا گیا:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ (المومنون:۱۔۲)

بے شک ایمان والے مراد کو پہنچے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں کامیاب وبامراد مومن کی یہ حالت بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں، خشوع کے معنی اگرچہ لغت میں کسی کے آگے جھک جانا، دب جانا اور اظہار عجز و انکسار کرنا ہے ،لیکن عام مفسرین کے نزدیک اس میں وہ تمام افعال وحرکات شامل ہیں جن سے بارگاہ خداوندقدوس میں عجزوانکسارظاہر ہو ،یہ بات بالکل واضح ہے کہ جب نماز بے دلی اور کاہلی وسستی کے ساتھ پڑھی جائے گی اور اس کے لیے حلاوت ایمانی نہیں پائی جائے گی تو اس میں خشوع و خضوع کی کیفیت نہیں پیدا ہوسکتی بلکہ قرآن حکیم کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حلاوت ایمانی کے بغیر نماز پڑھی جائے گی یابلفظ دیگر وہ بندے جو فروتنی و عاجزی کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں نماز نہیں ادا کرنا چاہتے ،ان کی طبیعت کے اوپر یہ عبادت الٰہی بڑی بھاری گزرے گی۔

﴿وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾(البقرۃ:۴۵۔۴۶)

اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے ،مگر ان پر نہیں جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں جنہیں یقین ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے، اور اسی کی طرف پھرنا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ جب بندہ خدا کی بارگاہ میں خشوع و خضوع اختیار نہیں کرتا تو اس کے اوپر نماز جیسی عظیم الشان عبادت جو قرب الٰہی کا ذریعہ ہے بھاری ہوتی ہے، لیکن اگر اطاعت الٰہی، رضاے خداوندی کا جذبہ بیدار ہو جائے اور اللہ کی بارگاہ میں حاضری کا یقین کامل حاصل ہو جائے تو اس کے اندر خشوع و خضوع کے ساتھ ذوق عبادت پیدا ہو جاتا ہے، اور انسان کی یہ فطرت ہے کہ جب کسی چیز کا ذوق اس کے اندر بیدار ہو جائے تو اس سے ایسا تعلق اور لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر اس کے بارے میں مشکلات پیش آئیں تو ان کو بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ جھیل لیتا ہے، اس لیے نماز جیسی عظیم الشان عبادت اس کی طبیعت پر گراں نہیں گزرے گی۔

نماز کی اہمیت و عظمت کے متعلق غور و فکر کرنے میں حسب ذیل نکات ملحوظ رکھنا چاہیے۔

تمام انبیاے کرام پر نماز فرض تھی:

{الف}نماز ایک ایسی عبادت الٰہی ہے جو جملہ انبیاےکرام علیہم السلام پر فرض کی گئی تھی، یعنی تمام ادیان الٰہیہ میں فرض کی گئی تھی، سورہ مریم میں انبیاے کرام کا قدرے تفصیلاً ذکر ہوا ہے، ان کی خدا پرستی و توحید پرستی کو خوب واضح کیا گیا ہے، ان کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ جب خداے قدوس کی آیات ان کے اوپر تلاوت کی جاتی تھیں تو وہ اس کے بارگاہ میں والہانہ انداز سے سجدہ ریز ہو جاتے تھے، اس کے بعد ارشاد فرمایا گیا کہ:

﴿فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا﴾(مریم:۵۹)

پھر ان کے بعد ایسے بداطوار لوگ ان کے جانشین ہوئے ،جنھوں نے نماز کو ضائع کیا، اور خواہشات نفس کی پیروی کی، تو عنقریب وہ عذاب سخت و شدید پائیں گے۔

یعنی جن لوگوں نے نماز کو ضائع کر دیا وہ لوگ ایک ہی پیغمبر کے ماننے والے نہیں تھے، بلکہ ایسے لوگ بہت سارے انبیاے کرام کے امّتی تھے جنھوں نے نماز فرض کو چھوڑ دیا، اور خواہشات نفس کی پیروی میں لگے رہے ، جس کا انجام یہ ہوا کہ ان کو جہنم کے عذاب میں گرفتار ہونے کی تہدید فرمائی گئی۔

حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ و السلام کا وصف خصوصی قرآن کریم کے اندر یہ بیان کیا گیا ہے کہ اپنے وعدے کے وہ سچے تھے، ساتھ ہی ان کے متعلق یہ بھی ارشاد فرمایا گیا کہ:

"وکان یامر اھلہ بالصلاۃ والزکاۃ"(مریم:۵۵)۔

وہ اپنے اہل کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔

قرآن حکیم نے اس بات کی طرف لطیف اشارہ فرمایا کہ ہر نیکو کار وصالح بندے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جس کنبہ وخاندان کا وہ رکن ہے ان میں نیکی کو پھیلائے اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی اپنے اہل خانہ سے کروائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لے کر ان کی والدہ مکرمہ اپنی قوم کی طرف آئیں، قوم کا مطالبہ یہ تھا کہ اپنے متعلق وہ بتائیں کہ یہ بچہ کیسے وجود میں آ گیا، انہوں نے بچے کی طرف اشارہ کیا ،قوم پکاراٹھی کہ ہم ایسے بچے سے کیسے گفتگو کرسکتے ہیں ،جو ابھی گہوارے میں ہے، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلند آواز سے پکار کر کہا، میں اللہ کا بندہ ہوں، اللہ نے مجھ کو کتاب عطا فرمائی ہے،اور مجھ کو نبوت عطا کی ہے،اور میں جہاں کہیں رہوں بابرکت رہوںگا ، یعنی اپنی عبدیت وپیغمبری کے اعلان کے ساتھ ساتھ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

﴿وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَادُمْتُ حَیًّا﴾(مریم:۳۱)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھ کو تاکیداً نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے، جب تک میں زندہ رہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام مدین سے واپسی میں اپنے بال بچوں کے ساتھ ایک تاریک رات میں ایسے مقام پر پہنچے جہاں وہ مصر کا راستہ بھول گئے ،پھر وہ آگ کی تلاش میں نکلے اور وادئ مقدس طویٰ پہنچ گئے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں خطاب کرکے فرمایاکہ تم کو نبوت وپیغمبری کے لیے میں نے برگزیدہ کیا، تمھاری طرف وحی کی جارہی ہے ، غور سے سنو:

﴿اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾(طہ:۱۴)

بے شک میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تم میری توحید کے قائل ہو جاؤ، اور نماز میری یاد کے لیے قائم کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو جو پہلی وحی کی گئی اس میں خدا پرستی و توحید پرستی کا درس دیا گیا، اور یاد الٰہی کے لیے اقامت صلوٰۃ کا حکم دیا گیا۔

سورہ انبیا میں حضرت ابراہیم و اسحاق و یعقوب علیہم السلام کے تذکرے کے بعد فرمایا گیا کہ:

﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ﴾(الانبیاء:۷۳)

اور ہم نے ان کو امام بنایا تھا ،ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے ،اور ہم نے ان کی طرف نیکی کا کام بجالانے ،نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی کی تھی، اور وہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔

انبیاے کرام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوسرے امور خیر کے بجالانے کے ساتھ ساتھ اقامت صلاۃ کا حکم دیا تھا۔

حضرت شعیب علیہ الصلاۃ و السلام اپنی قوم کی ہدایت کے لیے جدوجہد کرتے ہیں، قوم بجائے اس کے کہ وہ راہ راست پر آئے، ان کے ساتھ بدسلوکی پر آمادہ ہو جاتی ہے، اور کہتی ہے کہ:

﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا﴾{سورۃھود:۸۷}

اے شعیب کیا تمھاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے خداؤں کو چھوڑ دیں، یا اپنے مال میں جو چاہیں نہ کریں۔

ان آیات کریمہ کو ان کے سیاق و سباق کے ساتھ پیش کر کے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو جو مختلف قرن اور مختلف اقوام میں تشریف لائے اقامت صلاۃ کا حکم دیا گیا ، اس سے یہ واضح ہو گیا کہ خداے قدوس کے نزدیک نماز ایسی پیاری عبادت ہے کہ اپنے کسی نیک بندے یا پیغمبر کو اس سے محروم نہیں رکھا،یعنی تمام قوموں کو اس کی سعادتوں و برکتوں سے نوازا ،وہ ایسی عبادت ہے جس کو صفحہ ہستی کے تمام نیک و پارسا بندے جو انسانوں کی رہبری وہدایت کے کام پر مامور ہوئے بجالانے کے پابند تھے،پس ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ آخر کیا حکمت ہے کہ سب پر اس کو فرض کیا گیا، بظاہر اس کی کیا حکمت سمجھ میں آتی ہے کہ تقرب الٰہی و رضاے حق کے جتنے طریقے اس دنیا میں پائے جا سکتے ہیں، ان میں یہ سب سے بہتر طریقہ ہے، یہاں صرف دل و دماغ ہی نہیں حق کی طرف مائل ہوتے بلکہ جسم کے سارے اعضا خدا کی بندگی و طاعت میں جھکے نظر آتے ہیں، زبان دعا و مناجات میں مصروف رہتی ہے، ہاتھ ایک مخصوص ہیئت کے ساتھ تعظیم الٰہی کا مظہر ہوتا ہے، کان اللہ کی عظمت وبڑائی کے الفاظ سنتے ہیں، گویا پورے جسم کا ہر حصہ یادالٰہی و تضرع و زاری میں لگا ہوا نظر آتا ہے، پیشانی کی خاک آلودگی اس کی انتہائی فروتنی پر دلالت کرتی ہے، یہاں صرف ”دھیان “و مراقبہ ہی نہیں ہوتا بلکہ بندہ خود سپردگی اور تسلیم و رضا کی ایک مجسم تصویر ایسی حالت میں نظر آتا ہے، اس لیے اس سے بڑھ کر خدا کے قرب کا کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا۔

نماز برائیوں سے روکتی ہے:

نماز انسان کے دل میں ایسی طہارت و پاکیزگی پیدا کرتی ہے کہ وہ تمام

برائیوں وبد کاریوں سے بچنے کے لیے خود بخود مائل ہو جاتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾(سورۃ عنکبوت:۴۵)۔

اے محبوب !جو آپ کی طرف کتاب وحی کی جارہی ہے، اس کی تلاوت فرمائیے، اور نماز کو قائم کیجیے،بلاشبہہ نماز فحش اور ہر برے کاموں سے روکتی ہے۔

یعنی نماز کی یہ خاصیت ہے کہ بدی کی چیزوں سے وہ روکتی ہے، اگر کوئی بندہ اس کے فرائض وواجبات ،سنن و آداب کی پابندی کے ساتھ اس کو ادا کرے تو یقیناً وہ برے کاموں سے باز رہے گا، کیوں کہ جب کوئی بندہ دن رات کے چوبیس گھنٹے میں پانچ مرتبہ خشوع وخضوع، فروتنی و عاجزی کا پیکر مجسم بن کر ذکر الٰہی میں مصروف رہے گا تو بلاشبہ اس میں طہارت نفس، تقویٰ، خشیت الٰہی پیدا ہوجائے گی ،اور اس میں اپنے نفس سے محاسبہ کا جذبہ ابھرے گا، انسان بدی کی طرف اس طرح مائل ہوتاہے کہ نفس انسانی میں شیطان اپنے وسوسے سے برائی کو اچھائی کی شکل میں پیش کرتا رہتا ہے، اور پیہم اس کی ضمیر کی آواز کو دبانے کی کوشش کرتا ہے، اور محاسبۂ عمل کا جذبہ مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے، لیکن جب وہ بارگاہ خداوندی میں بار بار حاضر ہو کر اس کے ساتھ مناجات کرتا ہے، تو اس کے ضمیر کی آواز دبنے نہیں پاتی ہے، بلکہ شیطانی وسوسے خود بخود فنا ہونے لگتے ہیں ،کیوں کہ خشیت ربانی اس پر طاری ہوگی تو اس کی ملکوتی قوت میں شدت پیدا ہو جائے گی، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہو،اور برائیوں کا بھی مرتکب ہو تو اس سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس عبادت سے اس میں طہارت نفس نہیں پیدا ہوئی، نہ ہی یہ عبادت کامل طور پر ادا ہوئی۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

”من لم تنهه صلاته عن الفحشآء والمنكر فلا صلاة له“.(السلسلة الضعيفة ،حديث: ۹۸۵)

جسے اس کی نماز نے فحش اور برے کاموں سے نہ روکا ،اس کی نماز نہیں ہے۔(مکمل نہیں ہوئی)

ایک دوسری حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

"لا صلاۃ لمن لم یطع الصلاۃ وطاعۃ الصّلاۃ ان تنھی عن الفحشآء والمنکر". (تفسیر طبری)

اس شخص کی کوئی نماز نہیں ہے جس نے نماز کی اطاعت نہ کی، اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ آدمی فحشاومنکر سے رک جائے۔

اور امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اس کی نماز قبول ہوئی یا نہیں اسے دیکھنا چاہیے کہ اس کی نماز نے اسے فحش اور منکر سے کہاں تک باز رکھا، اگر نماز کے روکنے سے برائیاں کرنے سے رک گیا ہے تو اس کی نماز قبول ہوئی، اس سے ثابت ہوا کہ نماز برائیوں سے روکنے کا ایک بہت ہی کارآمد ہتھیار ہے، اس سے مسلح ہو کر بدی کی قوت سے جنگ جیتی جا سکتی ہے، اور اس فتح مبین کے بعد آخرت کی زندگی میں کامیاب و بامراد ہوکر عیش و دوام حاصل ہوگا، اور خدا کی لازوال نعمت اسی وقت مل سکتی ہے، جب انسان برائی کے برے اثرات سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائے، کیوں کہ اس مادی دنیا میں کبھی برائیوں کی سزا نہیں ملتی ہے، اس سے اس میں بے خوفی پیدا ہو جاتی ہے اور بدی کی عقوبت سے وہ محفوظ رہ جاتا ہے، لیکن فحش و منکر ایک ایسا زہر ہلاہل ہے کہ اس کے تباہ کن و ہلاکت خیز نتائج ظاہر ہو کے رہیں گے، اس لیےلازم ہے کہ اقامت صلاۃ سے غفلت کسی صورت میں نہیں ہونی چاہیے، نماز کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کی امت محمدیہ ﷺ کے لیے جتنے احکام وشرائع نازل کیے گئے سب کے سب اس زمین کے اوپر نازل فرمائے گئے، لیکن جب اس پر نماز فرض کرنا ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش عظیم پر بلا کر فرض کیا گیا، اورشب اسریٰ میں یہ تحفہ خیرامت کو دیا گیا۔

شراب نوشی کی مذمت:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ والی حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس احکام بیان فرمائے ہیں، ان میں سے تین پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ،چوتھا حکم شراب کے بارے میں ہے آپ نے فرمایا :

''لا تشربنّ خمراً فإنّه راس کلّ فاحشة''۔(مشکوٰۃ ، حدیث: ۵۶)

ہرگز شراب نہ پینا کیوں کہ وہ ہر بے حیائی کے کام کی اصل ہے۔

عہد جاہلیت میں شراب نوشی کا دور دورہ تھا، قبائل عرب کے سنجیدہ ومتین لوگ بھی اس بری علت میں گرفتار تھے، جو طبعًا نیکی کی طرف میلان رکھتے تھے ان میں سے بھی کچھ لوگ مے نوشی سے احتراز نہیں کرتے تھے، یہ عربوں کی گھٹی میں رچی بسی تھی، اس لیے اس کا انسداد یک بیک ممکن نہ تھا ،بلکہ نہایت حکیمانہ اسلوب بیان سے اس کے خلاف ذہنوں کو تیار کرنے کی ضرورت تھی، پہلی آیت کریمہ جو شراب کے بارے میں نازل ہوئی، اس میں بلیغ انداز میں اس کی معصیت ومضرت کو بیان کیا گیا۔

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنٰفِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾(البقرۃ:۲۱۹)

تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں ،تم فرمادو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے، اور لوگوں کے دنیاوی فائدے بھی ،اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔

اس آیت پاک میں شراب اور جوئے کی مضرّت بیان کی گئی،اور یہ بھی بتایا گیا کہ اس میں کچھ فائدے بھی ہیں، لیکن اس کی مضرت اور گناہ کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں ان میں خیر و شر کے دونوں پہلو ہوتے ہیں، ایسا مکمل خیر جس میں ذرہ برابر شر کا پہلو نہ ہو یا اس میں کوئی اذیت و مضرت نہ ہو پائی جاتی ہو ناممکن ہے،

اسی طرح کوئی ایسی چیز جو مکمل شر ہو جس میں فائدہ کا ادنیٰ شائبہ نہ پایا جاتا ہو عقلاً سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے، اس لیے قرآن عزیز نے حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھاتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ شراب اور جوئے میں بڑا گناہ اور ان کے اندر بڑی قباحت پائی جاتی ہے، یعنی انسانی زندگی کے لیے تباہ کن ثابت ہوتی ہے، اور معاشرے اور سماج میں اس سے برائیاں پھیلتی ہیں، اور آخرت میں اس گناہ کے سبب سے عذاب کا مستحق ہو سکتا ہے، لیکن لوگوں کے لیے اس میں کچھ منافع بھی ہیں، تو اس سے حیرت و استعجاب میں نہیں مبتلا ہونا چاہیے، ایک صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت شراب کے بعد کہا تھا:

''وعن ديلم الحميری قال: قلت لرسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: يارسول الله إنّا بأرض باردة وّنُعالجُ فيها عملاً شديداً وّانا نتّخذ شرابا مِّن هذا الْقمحِ نتقوَّىٰ علًى أ عمالناوعلي برد بلادنا ،قال: هل يسكر؟ قلت :نعم، قال: فاجتنبوهُ، قلت :إنّ النّاس غير تاركيه،قال: إن لّم يتركوه قاتلوهم''۔(ابوداؤد ، حدیث: ۳۶۸۳)

دیلم حمیری نے عرض کیا:یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ایسے علاقے کے رہنے والے ہیں جو نہایت سرد ہے، اور ہم وہاں سخت محنت کا کام کرتے ہیں، ہم لوگ گیہوں سے ایک مشروب بناتے ہیں، جس سے تھکان اور سردی کا مقابلہ کرتے ہیں ۔آپ نے فرمایا کہ وہ نشہ پیدا کرتی ہے؟ میں نے کہا :ہاں،تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :تو اس سے پرہیز کرو، میں نے عرض کیا: مگر ہمارے علاقے کے لوگ اس کو ترک نہیں کریں گے،فرمایا :اگر نہ چھوڑیں تو ان سے جنگ کرو۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ شراب میں کچھ فائدے ضرور ہیں، یعنی اس سے تکان دور ہوتی ہے، اور سخت سردی کے موسم میں اس کے پینے سے سردی کا احساس گھٹ جاتا ہے، عصر حاضر میں بھی بادہ پرست لوگ شراب کے کچھ فوائد بیان کر سکتے ہیں، مثلاً یہ کہ وہ نشاط انگیز ہے، تھوڑی دیر کے لیے انسان اپنے تمام

غم واندوہ سے رہائی حاصل کرسکتا ہے،لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں بزور قوت اس کا خاتمہ ضروری ہے، کیوں کہ اس کے مضر اثرات اتنے زیادہ ہیں کہ ان کے مقابل میں یہ کچھ فائدے لائق اعتنانہیں ہیں۔

شراب کی قباحت پر تمام عقلا کا اتفاق ہو چکا ہے، حکومتیں اس کی تباہ کاریوں سے لوگوں کو بچانے کے لیے کچھ اسکیمیں بھی تیار کرتی ہیں، مگر اس جمہوری دور میں اپنی مصلحتوں کی بنا پر اس پر قانوناً پابندی عائد نہیں کرپاتی ہیں،طب جدید نے ثابت کر دیا ہے کہ اس سے انسان کے اعصاب بہت متاثر ہوتے ہیں، اور آدمی ذہنی وقلبی امراض کا شکار ہو جاتا ہے ،لیکن یہ تاریخ انسانی کاالمیہ ہے کہ انسان کی صحت و توانائی میں خلل ڈالنے والی اور اس کو مختلف امراض میں مبتلا کرنے والی ،زندگی کو تباہ و برباد کرنے والی اور اس کو مفلس و قلاش بنانے والی ایسی بری شئ پر اب تک مکمل پابندی کا قانون نافذ کرنے سے حکومتیں کتراتی ہیں۔

قرآن حکیم نے ذہن انسانی کو اپیل کرتے ہوئے قانوناً اس کو ممنوع قرار دے دیا، لیکن اس کی حرمت کے قانون کا اعلان بتدریج کیا گیا تھا ،پہلے اس کی شناعت وقباحت کو واضح کیا گیا، پھر شراب سے مست ہو کر نماز پڑھنے کو ممنوع قرار دیا گیا:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ(النساء:۴۳)

اے ایمان والو! ایسا نہ ہو کہ تم نشہ میں ہو ،اور نماز پڑھو ،نماز اس وقت پڑھو جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو۔

اس کے بعد سورہ مائدہ کی آیت کریمہ نازل ہوئی، جس میں شراب کی حرمت کا اعلان دلائل کے ساتھ کیا گیا۔

﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ

يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ (المائدة:۹۰۔۹۱)

اے مسلمانو! شراب وجوا، پانسے، بت شیطانی کا موں کی گندگی ہے ،تم اس سے اجتناب کرو، تاکہ تم کامیاب ہو، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمھارے درمیان عداوت و کینہ ڈال دے، اور تمہیں خدا کی یاد اور نماز سے باز رکھے، تو کیا تم باز رہنے والے ہو؟

وہ دلائل یہ ہیں:

(۱) شراب ایک ناپاک شے ہے اور ہر ناپاک شے حرام ہے، اس سے ثابت ہوا کہ شراب حرام ہے۔

(۲) اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا کہ وہ شیطانی کام ہے،اور ہر شیطانی کام حرام ہے ، لہٰذا شراب حرام ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ شراب سے بچو ،اور جس چیز سے بچنے کا حکم اللہ تبارک و تعالیٰ دے وہ چیز حرام ہوا کرتی ہے،پس شراب حرام ہے۔

(۴) ارشاد ربانی ہے'' لعلکم تفلحون'' یعنی تم فلاح کی امید شراب سے اجتناب کے بعد ہی کر سکتے ہو ،اور جس چیز سے بچنے کے ساتھ فلاح کی امید کو معلق کیا جائے اس کا عمل میں لانا قطعًا حرام ہوتا ہے۔

(۵) اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایاکہ شیطان تمھارے درمیان شراب وجوئے کے ذریعہ عداوت اورکینہ ڈالناچاہتا ہےاور جوچیز مسلمانوں کے درمیان بغض و عناد کا سبب بنے وہ حرام ہے۔

(۶) شراب ذکر الٰہی اور نماز سے روکتی ہے، اور جو چیز یاد الٰہی اور نماز سے روکتی ہو اس کے حرام ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

(۷)اللہ تعالیٰ نے بطورز جرو تہدید فرمایا کیا تم باز آئے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم شراب نوشی سے جلد باز آجاؤ، ورنہ سخت سزا کے مستحق ہو گے، اور ہر

ایسی چیز جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بازآنے کا حکم اس انداز سے دے وہ قطعًا حرام ہے، سورہ مائدہ کی ان دونوں آیتوں کو بار بار غور سے پڑھیے،ان میں مختلف اسلوب بیان سے شراب کی حرمت کا اعلان کیا گیا ہے، اس کو ناپاک شے،شیطانی کام بتاکر بندۂ مومن کو اس سے اجتناب کا حکم دیا گیا ،یہ بھی واضح کیا گیا کہ:

یہ مسلمانوں کے درمیان بغض و عناد کاسبب بنتی ہے، ذکر الٰہی اورنماز سے غافل کرنےوالی ہے، پھرز جروتوبیخ کےساتھ فرمایا گیاکہ خیریت اسی میں ہے کہ جلد باز آجاؤ، شراب کی حرمت کےسلسلے میں قرآن حکیم کے اندر جو تہدید و تشدیدپائی جاتی ہے غالبًا اسی کے پیش نظر اس کی حرمت کےبعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نےاس کے پینے اور نہانے کے برتنوں کو حرام قرار دیا تھا تاکہ شراب نوشی کی مذموم عادت بالکلیہ ختم ہو جائے، اور کوئی شخص اس ام الخبائث کے قریب نہ پھٹکنے پائے۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنے ارشادات عالیہ سے اس کے متعلق مختلف احکام بیان فرمائے ہیں ،آپ نے فرمایا:

’’لعن الله الخمر وشاربها وساقيها وبائعهاومشتريهاوعاصرها وحاملها والمحمولة إليه‘‘-(ارواء الغليل، حديث: ۲۳۸۵)

شراب و شراب کے پینے والے وپلانے والے، اور اس کی خرید وفروخت کرنے والے، اور اس کو تیار کرنے والے، اس کو اٹھا کر لے جانے والے،اور جس کی طرف اٹھا کر لے جایا جائے، سب پر خدا کی لعنت ہے۔

اس حدیث سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ شراب کی حرمت کا دائرہ کتنا وسیع ہے، نہ تو اس کے کارخانے قائم کیے جا سکتے ہیں، نہ ہی اس کا لین دین ہو سکتا ہے، ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف اس کو منتقل بھی نہیں کیا جاسکتا ،یعنی اسلامی سماج میں کسی طرح اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

افسوس وماتم کا مقام یہ ہے کہ جس کو سرکار دوعالم ﷺ نے بہت ساری برائیوں کا منبع قرار دیا تھا اور قرآن حکیم نے جس کی حرمت کا اعلان اتنی تہدید کے ساتھ کیا تھا، اسلامی معاشرے میں ایسی گندگی وگھناؤنی شے اب بھی پائی جارہی ہے،حالاں کہ ایک مسلمان کو شراب نوشی تو بڑی بات ہے اس کے تصور سے کانپ جانا چاہیے تھا، اس کے مختلف وجوہ و اسباب ہو سکتے ہیں، لیکن اسلامی تاریخ کا ایک المیہ یہ ہے کہ ہماری فارسی وار دو کی شاعری نے اسلامی سماج پر بہت برا اثر ڈالا، قرآن عزیز اور حدیث پاک کے علی الرغم شراب کی حرمت کے احساس کو ختم کرنے میں بڑا نازیبا و نارواکام کیا، اور ایسی شاعری کے متعلق علماے اسلام نے اپنی آوازیں ضرور بلند کیں، مگر بادہ پرستوں نے اپنی بادہ پرستی کے لیے ایک الگ ہی راگ الاپ دیا، اور یہ کہہ دیا گیا کہ شراب سے مراد ایک دوسری چیز ہے جس کو اہل دل یا اہل تصوف ہی سمجھ سکتے ہیں، نقد و تبصرہ کرنے والے کو اشارہ و کنایہ کی زبان سمجھنے کی صلاحیت رکھنی چاہیے۔

واقعی خدا پرست اور بہت سے نیک بندے اس منحوس ونا پاک شے سے احتراز کرکے ایک دوسری شراب کے مفہوم میں اپنی شاعرانہ کلام کے اندر وہ مست نظر آئے، اس کو مے محبت الٰہی یا بادۂ حب نبی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، لیکن اس میں بھی کلام نہیں کہ بادہ پرست شعرا نے جس شراب کا ذکر کیا ہے گو وہ بادۂ محبت ہی مراد لیتے رہے ہوں، مگر اس منحوس شے سے وہ اپنے کو بچا نہ سکے، آپ اس کو اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ اردو کے بڑے اچھے شاعر جام و مینا سے لیس رہا کرتے تھے ،جس کا اثر ان کے کلام کے پڑھنے والوں پر پڑنا لازمی تھا۔

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو ارشاد فرمایا تھا کہ جس دسترخوان پر شراب ہو، اس پر کھانا کھانا یاکھلانا منع ہے، اور ان شعرا کا کھانا بغیر شراب کے ہوتا ہی نہ تھا۔

ببیں تفاوت رہ ازکجا است تابہ کجا

اللہ تبارک وتعالیٰ تمام مسلمانوں کواس لعنت سے محفوظ رکھے۔آمین

کسب حلال کے فضائل



حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک زمانہ ایسا آئے گا جب لوگوں کو اس کی پرواہ نہ ہوگی کہ مال حلال ذریعہ سے حاصل ہورہا ہے یا حرام ذریعہ سے ،آپ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہورہی ہے ،کیوں کہ اس دور میں حلال وحرام کمائی کے درمیان فرق وامتیاز لوگوں کے دلوں سے مٹتا جا رہا ہے، خشیت الٰہی کے زوال اور عقیدۂ آخرت میں ضعف وانحطاط کے باعث اسباب معیشت کی فراوانی کے دور میں جائز و ناجائز کے فرق میں بڑا خسارہ تصور کیا جا رہا ہے، بلکہ یہ سوچا جاتا ہے کہ اس دنیا میں وہ بڑا بے وقوف ہے جو اپنی کمائی کے دائرۂ کار میں دولت کو سمیٹنے کی کوشش نہیں کرتا، دنیوی زندگی کی ظاہری چمک ودمک کو سب کچھ تصور کرلیا گیا ہے، حیات اخروی میں محاسبہ یا مکافات عمل کے قانون کا اب کوئی خوف باقی نہیں رہ گیا ہے ،انسان کی مثال اس دور میں چوپائے جیسی ہے جو اپنا پیٹ بھرنے کے لیے لہلہاتے ہوئے سبزہ زاروں میں چرتا ہے اوراس کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ان ہری بھری گھاسوں میں جو بظاہر بڑی خوش نما نظر آتی ہیں ایسی زہریلی گھاس بھی پائی جاتی ہے جو اس کی ہلاکت کا باعث ہوسکتی ہے، ٹھیک اسی طرح اس دور کا انسان بھی عقل وشعور سے بیگانہ ہوکر دولت و ثروت کی بہتات کی خاطر کسب حلال و حرام میں کوئی امتیاز نہیں کرپاتا، حصول زر کا تصور ذہنوں پر ایسا چھاگیاہے کہ اس کے مقابلے میں کسب حلال کے فائدے نظر نہیں آتے، نہ ہی حرام کمائی کی ہلاکت خیزیاں دکھائی پڑتی ہیں۔

اس دنیاے ناپائیدار میں خدا کے وہ نیک بندے جو انسان کی ہدایت کے کام پر مامور تھے ان سب کی تعلیمات کا خلاصہ دو لفظوں میں صرف یہ تھا کہ پاک وطیب چیز کھاؤ اور عمل صالح بجالاؤ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسلم شریف میں سرکار دوعالم ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ اللہ طیب ہے اور پاک ہی چیز قبول فرماتا ہے، مسلمانوں کو انھیں چیزوں کے کمانے کا حکم دیا ہے جن کا حکم پیغمبروں کو دیا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا" اور یہ بھی فرمایا: "یا ایھا الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقنا کم"۔

پھر حضور اکرم ﷺ نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ فرمایا جو عبادت الٰہی میں پراگندہ بال، غبار آلود، طویل سفر کرتا ہے اور ہاتھوں کو آسمان کی طرف دراز کرتا ہے اور کہتا ہے اے رب اے رب! دراں حالیکہ اس کا کھانا پینا اور ستر پوشی کا لباس سب کچھ حرام ہے اور حرام غذا سے اس کی پرورش ہوئی ہے، پھر کہاں اس کی دعا خدا کی بارگاہ میں مقبول ہو گی۔

پہلی آیت سورۃ المومنون کی ہے، اس میں انبیاے کرام علیہم السلام سے خطاب کرکے حکم دیا گیا ہے کہ پاک چیزیں کھاؤ اور عمل صالح کرو، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ انبیاے کرام علیہم السلام کہیں ایک جگہ موجود تھے اور ان کو خطاب کرکے یہ حکم دیا گیا، بلکہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اگرچہ یہ سب خدا کے برگزیدہ بندے انسانوں کی رہبری کے واسطے مختلف زمانوں اور مختلف قوموں میں مبعوث کیے گئے تھے مگر سبھی کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اپنے اپنے عہد میں اپنے اپنے پیروں کو باخبر کر دیں، یعنی دنیا کی کوئی قوم کسی زمانہ میں اس حکم الٰہی کی بجا آوری سے بری نہیں کی گئی تھی، بہت سے جزئی اور فروعی احکام میں اختلاف کے باوجود اس حکم میں شریک رہے، اس حدیث پاک سے حلال کمائی کی اہمیت اور اس کی فضیلت عیاں ہے۔

دوسری آیت کریمہ سورۂ بقرہ کی ہے، اس میں مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے کہ جو کچھ ہم نے فراہم کیا ہے اس میں سے صرف پاک چیز کھاؤ، یعنی دنیا کی چیزیں

تمھارے ہی نفع و فائدے کے لیے بنائی گئی ہیں، مگر ان میں سے صرف حلال چیز کو کمانا اور کھانا ہے، اور اس کے سوا کسی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھنا ہے، ان دونوں آیتوں کے تذکرے کے بعد ایک ایسے شخص کی حالت بیان کی گئی ہے جو اپنی دعاؤں کی قبولیت کے لیے بڑا بے تاب رہا ،اپنے عمل خیر کا سہارا ڈھونڈتا ہے، حج، جہاد کے لیے لمبا سفر کرتا ہے، مگراس کی محرومیٔ قسمت کا یہ عالم ہے کہ خدائے پاک کی بارگاہ میں اس کی دعا قبول نہیں ہوتی، وہ بار بار یارب یارب کہہ کر اپنے پروردگار کو پکارتا ہے ،لیکن اس کی رحمت وربوبیت اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتی ،حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دعاؤں کی قبولیت کی جو پہلی شرط تھی اس شخص میں نہیں پائی جا رہی تھی ،دعائیں تواس وقت مقبول ہوتی ہیں جب کسب حلال کے کیمیاسے اس میں اثر پیدا کیا جائے اور اس کی پوری کمائی حرام کی تھی حرام غذا سے اس کی پرورش ہوئی تھی پھر کیسے اس کی دعا مقبول ہوتی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھ کو مستجاب الدعوات بنادیجیے ،یعنی ایک ایسا آدمی بنا دیجیے جس کی دعائیں خدا کی بارگاہ میں مقبول ہوتی رہیں، آپ نے فرمایا: اے انس! حلال کماؤ تمھاری دعا قبول ہوگی، اس لیے کہ آدمی جب اپنے منہ کی طرف حرام لقمہ لے جاتا ہے تو اس کی دعا چالیس دن تک مقبول نہیں ہوتی۔

حرام کمائی کے اثر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ اللہ کی بارگاہ میں مبغوض ہو جاتا ہے اور اس کی طرف اس کی رحمت متوجہ نہیں ہوتی، چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ: حضرت جابر سے مروی ہے آپ نے فرمایا ایسا گوشت جو حرام سے بڑھا ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکتا ،ہر ایسا گوشت جو حرام سے پیدا ہوا ہو اس کے لیے جہنم کی آگ ہی بہتر ہے، اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ حرام کمائی سے آدمی غضب الٰہی کا مورد ہو کر جہنم کے عذاب کا مستحق ہوجاتا ہے کیوں کہ حرام کمائی سے اللہ کے حقوق یا بندوں کے حقوق کو انسان تلف کر دیتا ہے اور ایسا عصیاں کار ہو جاتا ہے جس کو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنی ہوگی۔

باب دوم

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا وہ قرآن حکیم کی آیات کریمہ کے معانی و مفاہیم کی ہلکی جھلکیاں تھیں اب آئیے حدیث شریف کے آئینے میں سود خور کو دیکھیے۔

خون کا دریا

حضور ﷺ نے اپنے رویاے صادقہ کے واقعات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

حتی اتینا علی نهر من دم فيه رجل قائم و علی شط النهر رجل بين يديه حجارة، فاقبل الرجل الذی فی النهر، فاذا اراد ان يخرج رمی الرجل بحجر فی فيه، فرده، حيث كان، فجعل كلما جاء ليخرج رمی فی فيه بحجر، فيرجع كما كان۔[صحيح البخاری، ج:۱ ،ص:۲۸ باب اكل الربا وشاهده و كاتبه ،قديمی كتب خانه]

یہاں تک کہ ہم ایک خون کے دریا کے کنارے پہنچے جس میں ایک آدمی کھڑا تھا اور اس دریا کے ساحل پر ایک دوسرا آدمی تھا اس کے سامنے پتھر پڑے ہوئے تھے پھر وہ شخص جو دریا میں تھا تھک کر (گھبرا کر) جب اس سے نکلنے کا ارادہ کرتا ہے تو ساحل پر کھڑا آدمی اس کے منہ پر پتھر مارتا ہے تو لوٹ کر وہیں چلا جاتا ہے جہاں سے آیا تھا ایسے ہی جب وہ نکلنے کا ارادہ کرتا ہے تو پتھر سے اس کے منہ پر مار پڑتی ہے اور لوٹ جاتا ہے۔

رویاے صادقہ میں بہت سے خطا کاروں نافرمانوں کی سزاؤں کے مناظر پیش کیے گئے تھے، آپ کے ہمراہ جبرئیل امین اور میکائیل علیہما السلام بھی ہوتے ہیں بدکاروں، زناکاروں، جھوٹوں کی اندوہناک سزائیں آپ کو دکھائی جاتی ہیں، آپ فرشتوں سے ان لوگوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ یہ کون ہیں؟ لیکن یہ فرشتے ابھی ان لوگوں کو نہیں بتاتے ہیں، آخر میں آپ کے سامنے یہ منظر لایا جاتا ہے کہ خون کے دریا میں اک شخص تیر رہا ہے اور ساحل پر ایک دوسرا آدمی کھڑا ہے، جب پہلا والا شخص تھک کر ساحل کے قریب آکر خون کے دریا سے نکلنا چاہتا ہے تو ساحل پر کھڑا آدمی اس کے منہ پر زور سے پتھر مارتا ہے اور یہ سزائیں جاری رہتی ہیں، ابھی دونوں فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بتاتے ہیں کہ کون شخص ہے جو

خون کے دریا میں گرتا ہے اور بار بار اس سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے، اور اس کی پٹائی ہر بار ہوتی ہے اور خاص بات یہ ہے کہ یہ ضرب شدید اس کے منہ پڑ رہی ہوتی ہے، آخر میں حضور اکرم ﷺ کے سوال کا جواب یہ فرشتے دیتے ہیں: والذی رأیته فی النهر اکلو الربوٰ. یعنی وہ آدمی جس کو آپ نے دیکھا کہ خون کے دریا میں تیر رہا ہے وہ سود خور ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام جو کچھ خواب دیکھتے ہیں وہ پراگندہ خواب نہیں ہوتے، عام انسانوں کی طرح ان کا خواب نہیں ہوتا کہ خارج میں اس کا کوئی مصداق نہ ہو، بلکہ انبیاے کرام کا خواب واقعات کی صحیح عکاسی کرتا ہے اور وہی کچھ دیکھتے ہیں جو خارج کی دنیا میں موجود ہوتا ہے یا ہونے والا ہوتا ہے، بتانے کا مقصد یہ ہے کہ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خواب میں دکھایا گیا وہی سب کچھ سلوک سود خوروں کے ساتھ ہوگا۔ سود خور انسانوں کا خون چوستا ہے تو اس کو خون کے دریا میں گرنے کی سزا دی گئی، وہ اپنی شقاوت اور سنگدلی سے حاجت مند انسانوں پر ترس نہیں کھاتا تو اس کے اوپر بھی کسی کو ترس نہیں آئے گا اور مسلسل اس کو سنگ باری کی سزا دوسری سزاؤں کے ساتھ ملتی رہے گی۔

اللہ اکبر! یہ کتنی عبرتناک سزا ہے کہ جس کا تصور ہی انسان کو مضطرب اور بے قرار کرنے کے لیے کافی ہے۔

سانپ کے گھر

عن ابی ھریرۃ قال :قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :اتیت لیلۃ أسری بی علی قوم بطونھم کالبیوت فیھا الحیات، تری من خارج بطونھم، فقلت من ھؤلاء یا جبریل؟قال:ھؤلاء اکلۃ الربا.[ابن ماجہ ،ص ۵۲۷ باب التغلیظ فی الربا، دارالفکر بیروت]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس رات مجھ کو سیر کرائی گئی، میں ایسی قوم کے پاس پہنچا کہ ان کے پیٹ گھروں کی طرح تھے اور اس میں سانپ بھرے ہوئے تھے، پیٹ کے باہر سے وہ صاف دیکھے جا رہے تھے، میں نے کہا جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ تو جبرئیل نے جواب میں کہا یہ سب سود خور ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے معراج منامی میں نہیں بلکہ معراج جسمانی میں سود خوروں کے حالات کا مشاہدہ فرمایا، وہ صرف عبرت انگیز ہی نہیں تھے، بلکہ رونگٹے کھڑا کر دینے والے تھے، سود کی دولت جمع کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سانپ پالے، سود کی دولت تجوریوں بینکوں میں جمع کی جاتی ہے، خدا کے ہاں اس کا عذاب یہ ہوگا کہ ایسے سود خور کی تونذ گویا ایک محل ہوگی، وہ بھی صاف شفاف آئینے کی طرح، اس میں یہ دولت کے سانپ جمع کر دیے جائیں گے، دیکھنے والا یہ دیکھے گا کہ یہ سب سانپ اس کے پیٹ میں بھرے پڑے ہیں، خدا کی پناہ، کتنی ہی وحشت ناک سزا ہوگی؟۔

سود کا گناہ زنا سے کئی گنا زیادہ بدتر:

سود کتنا بڑا گناہ ہے، اس کو دار قطنی کی اس روایت سے سمجھا جا سکتا ہے:

عن عبداللہ بن حنظلۃ غسیل الملائکۃ قال :قال رسول اللہ ﷺ: درھم ربا یأکلہ الرجل و ھو یعلم اشد من ستۃ و ثلٰثین زنیۃً.[مشکوٰۃ ،ج :۱ ص: ۲۵۱ مکتبہ رحمانیہ]

عبداللہ بن حنظلہ جن (حنظلہ) کو ان کی شہادت پر فرشتوں نے غسل دیا تھا حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، سود کا ایک درہم جس کو آدمی جان بوجھ کر اپنے مصرف میں لائے چھتیس مرتبہ زناکاری سے بدتر ہے۔

زنا اور بدکاری سے سماج و معاشرہ میں جو برائیاں پھیلتی ہیں، ان کے انسداد کے لیے کوڑے مارنے یا سنگ ساری کی سزا دنیا میں ملتی ہے، اور اگر بغیر توبہ کے مر گیا تو آخرت میں اس کو کتنی بڑی سزا ملے گی اس کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، زناکاری کے جرم سے سود خوری کے جرم کا موازنہ فرماتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ چھتیس بار کی زناکاری سے یہ بدتر ہے بلفظ دیگر آخرت میں زناکاری کی سزا سے چھتیس گنا زائد سزا سود خور کو ملے گی۔ الامان الحفیظ

سود خوری کا گناہ ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بدتر ہے:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ؤ الربٰو سبعون جُزءًا ایسرھا ان ینکح الرجل امہ۔[مشکوٰۃ المصابیح، باب الربو، ج۱، ص۲۵۱ مکتبہ رحمانیہ، ابن ماجہ، ص۵۲۷ باب التغلیظ فی الربا، دار الفکر بیروت]

ابوہریرہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سود اتنا بڑا گناہ ہے کہ اگر اس کو ستر اجزا میں

تقسیم کیا جائے تو اس کا ایک ہلکے سے ہلکا جز اس گناہ کے برابر ہو گا کہ آدمی اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔

معاذ اللہ! اپنی ماں سے بدکاری کتنا بڑا گناہ ہے یوں تو زنا خود ہی بہت بڑا گناہ ہے، اور وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ! اس کا صرف خیال ہی رونگٹے کھڑا کر دینے والا ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے ستر گنا بدتر سود خوری کا گناہ ہے، اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ سود خوری کی لعنت سے اسلامی سماج و معاشرے کو پاک و صاف رکھنے میں جو جد و جہد کی جائے گی اس کا اجر کتنا بڑا ہو گا۔

سرکار کی پیشین گوئی:

عن ابی ھریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیاتین علی الناس زمان لا یبقیٰ احد الا آکل الربٰو فان لم یاکلہ اصابہ من بخارہ و یروی من غبارہ..[سنن ابی داؤد کتاب البیوع والاجارۃ باب فی اجتناب الشبھات ص:۶۳۴]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یقیناً لوگوں پر ای ک ایسا زمانہ آئے گا کہ کوئی شخص سود خوری سے نہ بچ پائے گا اور اگر سود خوری سے بچ بھی گیا تو سود کا دھواں یا اس کا غبار ضرور اس کو پہنچ کر رہے گا۔

اس حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے زمانے کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی، جس میں سودی کاروبار اور اس کے لین دین سے بچنا بڑا مشکل امر ہو جائے گا، اگر کسی طرح سے بچ بھی گیا تو کسی نہ کسی طرح کچھ نہ کچھ ضرور اس میں ملوث ہو جائے گا۔

یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جا سکتا کہ سرکار کی پیشین گوئی کے بموجب وہ زمانہ آ ہی گیا ہے لیکن دیدۂ عبرت سے تمام صنعتی مرکزوں، تجارتی منڈیوں، زراعتی فارموں، بیمہ کمپنیوں کو غور سے دیکھو تو اس کا احساس ضرور اجاگر ہو گا کہ نگاہ نبوت اس زمانے کو دیکھ رہی تھی اور سودی کاروبار کی ہمہ گیری کا مشاہدہ کر رہی تھی جدھر نگاہ اٹھا کے دیکھو تمام طرف سود کا لین دین پھیلا ہوا نظر آتا ہے خواہ وہ بینکوں کے ذریعہ ہو یا بیمہ کمپنیوں کے، ہر جگہ سود ہے اور اس کی غلاظتیں

نیز اس کے بخارات اور دھوئیں اڑ رہے ہیں جس سے دامن بچانا مشکل نظر آرہا ہے۔

سودی کاروبار کی معاونت بھی حرام ہے:

عن علی رضی اللہ عنہ انہٗ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اٰکل الربٰو و موکلہ و کاتبہ و فی روایۃٍ اُخریٰ و علیٰ شاھدیہ. [مشکوٰۃ المصابیح، باب الربو، ج ۱، ۲۵۱، مکتبہ رحمانیہ]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سود کھانے کھلانے والے، اور اس کے لکھنے والے پر لعنت فرمارہے تھے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کے گواہوں پر لعنت فرمارہے تھے۔ (مشکوٰۃ ج:۱، ص:۲۴۷)

سود خوری اتنی بڑی لعنت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کسی طرح معاونت کرنے والے پر لعنت فرماتے ہیں یہاں تک کہ جو شخص سود کا دستاویز لکھے اور جو اس پر گواہیاں دے آپ نے اس پر بھی لعنت فرمائی، لعنت رحمت خداوندی سے دوری کی بد دعا ہوتی ہے، اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سود کے قریب پھٹکنا بہت بڑا گناہ ہے۔

سود ہلاکت خیز ہے:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجتنبو السبع المو بقات قیل یا رسول اللہ ماھی قال الشرک باللہ والسحر و قتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق و اکل الربو و اکل مال الیتیم والتولّی یوم الزحف و قذف المحصنات المؤمنات الغافلات. [صحیح البخاری، کتاب الوصایا، ج ۱، ص:۳۸۸ قدیمی کتب خانہ کراچی]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سات ہلاکت خیز چیزوں سے بچو کہا گیا یا رسول اللہ وہ کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کی ذات کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی جان کو قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، محاذ آرائی کے دن دشمن کے مقابلہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا، مومن، پاکدامن، بھولی بھالی عورتوں کو زنا کی تہمت لگانا۔

گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک معمولی دوسرے غیر معمولی بلفظ دیگر ایک صغیرہ، دوسرا

کبیرہ، گناہ کبائر کی فہرست میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں دوسری چیزوں کو شمار کرایا وہیں سود خوری کو بھی شمار کرایا نیز یہ بتایا کہ یہ سب چیزیں ہلاکت برپا کرنے والی ہیں، خواہ دنیا میں ان سے تباہی و بربادی آئے یا آخرت میں، مسلمانوں کو ان سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے، ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب ہلاکت وادبار کو دعوت دینا ہے۔ ان ارشادات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح ہوا کہ سودی کاروبار یا سود خوری بدترین گناہوں میں سے ہے، ہر ایک مسلمان پر لازم ہے کہ اس نجاست کی آلودگی سے اپنے دامن کو داغدار نہ کرے آپ نے مختلف انداز بلکہ حکیمانہ اسلوب بیان سے اس کی حرمت کا صحیح احساس مسلمانوں کو دلایا، اس لیے لازم ہے کہ تتبع کیا جائے کہ سود کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور وہ کون سے عناصر ترکیبی ہیں؟ جن سے سود کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے، آئیے ایک نظر سود کی حقیقت پر ڈالتے ہیں۔

سود کی اس قسم کے بارے میں چند حدیثیں آپ کے سامنے پیش کی جارہی ہیں:

۱۔عن ابی سعید الخدری قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل یدا بید فمن زاد او استزاد فقد اربی والآخذ والمعطی فیه سواء .[مسلم شریف، باب الربو، ج ۲، ص ۲۵، قدیمی کتب خانہ کراچی]

ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ سرکار نے فرمایا: سونے کی خرید و فرخت سونے سے، چاندی کی چاندی سے، گیہوں کی گیہوں سے، جو کی جو سے، کھجور کی کھجور سے، نمک کی نمک سے، برابر برابر دست بدست ہونی چاہئے، جس نے زیادہ دیا یا لیا دونوں گناہ میں برابر ہیں۔

۲۔عن عبادة بن الصامت رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم : الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعیر بالشعیر، والتمر بالتمر، والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء یدا بید فإذا اختلفت هذه الأصناف فبیعوا کیف شئتم إذا کان یدا بید.(رواه مسلم)(حوالۂ سابق)

عبادہ بن صامت نے سرکار سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا سونے کا مبادلہ سونے

سے چاندی کا چاندی سے، گیہوں کا گیہوں سے، جو کا جو سے، نمک کا نمک سے، اس طرح ہونا چاہئے کہ ایک دوسرے کے مثل برابر دست بدست ہوں، ہاں اگر مختلف قسم کی چیزوں کا مبادلہ ہو تو پھر جس طرح چاہو بیچو بشرطے کہ لین دین دست بدست ہو۔

۳۔ عن ابی سعید الخدری قال: قال رسول اللہ: لاتبیعوا الذھب بالذھبالا مثلاً بمثل ولا تشفوابعضھا علیٰ بعض ولا تبعوا منھا غائباً بناجزٍ (حوالۂ سابق، ص ۲۴)

حضرت ابوسعید خدری نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے کے عوض نہ بیچو، مگر برابر برابر، کوئی کسی کو زیادہ نہ دے اور چاندی کو چاندی کے بدلے نہ بیچو، مگر یہ کہ ایک دوسرے کے مثل ہو اور کوئی کسی کو زیادہ نہ دے اور ان میں سے غائب کو حاضر کے بدلے نہ بیچو۔

۴۔عن ابی ھر یرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال :التمر بالتمر، الحنطۃ بالحنطۃ ،والشعیر بالشعیر، والملح بالملح مثلاً بمثل یداًبیدٍافمن زاداو استزاد فقد اربیٰ الا ما اختلفت الوانہ. [صحیح مسلم، کتاب المساقات، رقم الحدیث ۱۵۸۸، سنن نسائی، کتاب البیوع، رقم ۴۵۵۹]

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھجور کی فروخت کھجور سے کرو ، گیہوں کی گیہوں سے ،جو کی جو سے، نمک کی نمک سے، برابر برابر دست بدست ہونی چاہیئے، جس نے زیادہ دیا یا لیا سودی کام کیا، سوائے اس صورت کے کہ اس کے رنگ بدل جائیں۔

ان احادیث سے حسب ذیل احکام ثابت ہوتے ہیں:

الف: ایک ہی جنس کی چیزوں کی خرید و فروخت جب کہ ایک دوسرے کے ساتھ ہو بغیر کمی بیشی کے دست بدست جائز ہے، اگر ادھار ہو جائے تو گو کہ دونوں برابر ہوں ناجائز ہے ، مثلاً اگر کوئی شخص گیہوں کے بدلے گیہوں لینا چاہے تو دونوں کو کیل میں برابر ہونا چاہئے اور لین دین دست بدست ہو جبھی جائز ہے، اور ایسے مبادلہ کی ضرورت اس وقت پیش آتی

ہے جب کہ ایک ہی جنس کی چیزوں میں کچھ فرق ہو، مثلاً کسی کا چاول اور گیہوں عمدہ قسم کا ہو اور دوسرے کا چاول یا گیہوں گھٹیا قسم کا ہو تو ایسی صورت میں ضرورت اور حاجت کے مطابق کچھ زائد لین دین کا امکان تھا، اس پر پابندی لگا دی گئی کہ ایک ہی جنس کی چیزوں میں تفاوت ہونے کے باوجود کمی بیشی قطعًا ناجائز ہے اور اس زیادتی کو ربوالفضل کا نام دیا گیا۔

ب: اگر جنس مختلف ہو جائے، مثلاً گیہوں کا مبادلہ جو سے ہو تو جس طرح چاہیں خرید و فروخت کر سکتے ہیں، خواہ کمی بیشی کے ساتھ ہو یا برابر، مگر اس میں یہ شرط لازمی ہے کہ دست بدست ہونا چاہئے ،اگر دست بدست نہ ہوا تو یہ بھی ناجائز و حرام ہے، فقہاے کرام کی اصطلاح میں اس کو ربونسیئہ کہتے ہیں۔

ج: اگر ایک ہی جنس کی چیزوں میں مبادلہ برابر برابر ہو لیکن ایک چیز ادھار ہو دوسری نقد ہو، مثلاً گیہوں کا مبادلہ گیہوں سے ہو تو برابر برابر ہونے کے باوجود ربو کے دائرے میں آکر ناجائز ہوگا، اور اس کو بھی فقہا کی اصطلاح میں ربونسیئہ کہتے ہیں۔

د: یوں ہی یہ ادھار تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ ہو تو بھی ناجائز ہے۔

مذکورہ بالا احکام ان اشیا کے مبادلہ کے بارے میں ہیں جو کیلی یا وزنی ہوں، پھر ایک ہی جنس کی ہوں یا مختلف جنس کی لیکن اگر کیلی یا وزنی نہ ہوں اور مختلف جنس کی ہوں تو ان کی خرید وفروخت یا لین دین ہر طرح سے جائز ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

یہاں یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اشیا کے مبادلے کا دائرہ اس قدر تنگ کر دیا گیا ہے کہ ایک ہی جنس کی چیزوں کے ہونے کی صورت میں برابر برابر ہونے کے باوجود ادھار خرید و فروخت ناجائز ہے تو انسان کی بعض ضرورتیں کیسے پوری ہوں گی؟ مثلا ایک شخص کے پاس خراب گیہوں ہے تو دوسرے کے عمدہ گیہوں سے زائد دے کر مبادلہ نہیں کر سکتا، کیوں کہ اگر زائد دیتا ہے تو یہ ربوالفضل ہو جائے گا جو ناجائز و حرام ہے، اب دوسرا کہتا ہے کہ میں سود کے گناہ کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا، میں تم سے اپنے اچھے گیہوں کو ادھار بیچ رہا ہوں، جب فصل تیار ہو جائے تو مجھے عمدہ گیہوں لا کر دے دینا اور برابر ہی دینا، میں زیادہ نہیں لوں گا، اس لیے کہ

زیادہ لینے کی صورت میں سود ہو جائے گا لیکن اس کو کیا خبر یہ برابر ہی خرید و فروخت ناجائز حرام ہے، اب بتائیے ضرورت کیسے پوری ہوگی؟

یہ محض وسوسہ ہے ایسی صورت میں جب کہ انسانی حاجت کے پورا ہونے کا سوال ہو تو اسلامی شریعت ہدایت کرتی ہے کہ اپنے حاجت مند بھائی کی مدد کے لیے کمر بستہ ہو جاؤ اور اس کے ساتھ انسانی مروت کا یہ ثبوت دو کہ بجائے خرید و فروخت کے اس کو قرض دے دو، مثلا جب ایک من گیہوں دے کر ایک من بطور خرید و فروخت لینا چاہتے ہو اور تمھاری خواہش زیادہ لینے کی نہیں ہے تو پھر قرض کیوں نہیں دے دیتے، قرض کے سلسلے میں شریعت اسلامی بالکل آزادی دیتی ہے کہ روپے قرض دے کر اتنے ہی روپے لے لو، اسی طرح گیہوں قرض دے کر اسی کے برابر گیہوں لے لو، اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں پائی جا رہی ہے، لیکن جب معاملہ خرید و فروخت کا ہو یا تجارت کا ہو تو ایسی تجارت شرعا اس لیے ممنوع ہے کہ اس سے سودی کاروبار کی ذہنیت کو بڑھاوا ملے گا، اعلی حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالی عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

قرض تو ایک دوسرا عقد ہے بیع کے سوا جسے شریعت مطہرہ نے حاجات ناس کے لیے جائز فرمایا، بڑا قرض تو روپے کا ہوتا ہے مگر روپیہ قرض لینا جائز ہے، خود غلہ قرض لینا صحیح حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

ایک ہی جنس کے تفاوت کا حکم

ایک ہی جنس کی چیزوں میں اگرچہ بین تفاوت ہو جائے اور اس کی وجہ سے قیمتوں میں بڑا فرق پیدا ہو جائے تاہم کمی بیشی ناجائز ہے، یعنی فضل حرام ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک سے اس کا ثبوت ہے، اس لیے قیاس آرائی محض ناجائز ہے۔

۱- عن أبي سعيد الخدري وعن أبي هريرة رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم استعمل رجلا على خيبر ،فجاءه بتمر جنيب ،فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أكل تمر خيبر هكذا؟ قال

:لا واللہ یا رسول اللہ إنا لنأخذ الصاع من ھذا بالصاعین والصاعین بالثلاث ،فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تفعل ،بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جنیبا- [صحیح مسلم، باب الربو، ج۲، ص۲۶، قدیمی کتب خانہ کراچی]

ابو سعید و ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنایا تو وہ سرکار کے پاس مال گزاری میں عمدہ قسم کی کھجوریں لے کر آئے ، آپ نے دریافت فرمایا: کیا خیبر کی ساری کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں ؟ انہوں نے کہا: نہیں ، خدا کی قسم ! ہم کو جو کھجوریں ملتی ہیں (مخلوط) انہیں کبھی دو صاع کے بدلے میں ایک صاع اور تین صاع کے بدلے دو صاع اچھی کھجوروں سے بدل لیا کرتے ہیں، یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ پہلے مخلوط کھجوروں کو درہموں کے عوض میں فروخت کر دو پھر اچھی قسم کی کھجوریں درہموں کے عوض میں خرید لو۔

۲۔عن أبي سعید الخدري رضي اللہ عنه قال : جاء بلال إلی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بتمر برني فقال له النبي صلی اللہ علیه وسلم : من أین لك ھذا ؟ قال بلال : کان عندنا تمر رديء، فبعت منه صاعین بصاع، فقال النبي صلی اللہ علیه وسلم : أوہ ، أوہ ، عین الربا ، عین الربا، لا تفعل. ولکن إذا أردت أن تشتري فبع التمر ببیع آخر، ثم اشتر به - [صحیح البخاری، باب اذا باع الوکیل شیئا فاسدا فبیعہ مردود، ج۱، ص۳۱۱، قدیمی کتب خانہ کراچی]

ابو سعید کہتے ہیں کہ ایک دفعہ بلال حضور کے پاس برنی (اچھی قسم کی کھجوریں) لے کر آئے ، آپ نے فرمایا: کہاں سے لائے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہمارے پاس گھٹیا قسم کی کھجوریں تھیں ، میں نے اسی میں سے دو صاع دے کر یہ اچھی کھجور ایک صاع خرید لی ، آپ نے فرمایا: ہائیں ! یہی تو سود ہے ! ایسا مت کرو ، جب تمہیں اچھی کھجوریں خریدنی ہوں تو اپنی کھجوریں درہم یا کسی دوسری چیز کے عوض بیچ دو پھر اس قیمت سے اچھی کھجوریں خرید لو۔

۳۔عن أبي سعید رضي اللہ عنه قال :کنا نرزق تمر الجمع وھو الخلط من التمر وکنا نبیع صاعین بصاع ،فقال النبي صلی اللہ علیه وسلم :لا صاعین بصاع ولا درھمین بدرھم۔[صحیح البخاری، باب بیع الخلط من التمر، ج۱، ص۲۷۹، قدیمی کتب خانہ کراچی]

ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو تنخواہوں میں ملی جلی کھجوریں ملا کرتی تھیں اور ہم دو صاع مخلوط قسم کی کھجور دے کر ایک صاع اچھی قسم کی کھجور لے لیا کرتے تھے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو صاع کو ایک صاع کے بدلے اور دو درہم کو ایک درہم کے بدلے نہ بیچو۔

ان تمام حدیثوں کو غور سے پڑھیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک ہی جنس کی چیزوں میں تفاوت کی وجہ سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے، اگر کوئی چیز عمدہ قسم کی ہو اور وہی چیز دوسرے کے پاس گھٹیا درجے کی ہو، مثلاً گیہوں، چاول، جو وغیرہ کا مبادلہ انہیں کی جنس سے کمی بیشی کے ساتھ ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے، خواہ ان اجناس میں باہم کتنا ہی فرق ہو، اس لیے اگر ایسی ضرورت پڑ جائے کہ عمدہ چیز کو خراب کے بدلے لینا ہو، مثلاً خراب چاول کے بدلے اچھا چاول لینا ہو تو اس کی صورت صرف یہ ہے کہ اپنے خراب چاول کو فروخت کر کے اس کی قیمت کے بدلے میں عمدہ چاول خریدے، ایسا نہیں کر سکتا کہ اپنا خراب چاول زائد دے کر اس کے بدلے میں عمدہ قسم کا چاول کم خریدے کیوں کہ اس کو سرکار دوعالم علیہ السلام نے سود بتایا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اشیا کے مبادلے میں جب کہ ایک ہی جنس کی ہوں قیمتوں کی کمی بیشی کا کوئی لحاظ نہ ہوگا، بلکہ ایک ہی جنس کی چیزیں اگر ایسی ہوں کہ سوکھنے کے بعد کم ہو جاتی ہوں تو ان کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے، خواہ برابر برابر بیچی جائیں یا کمی بیشی کے ساتھ۔

قال سعد: سمعت رسول الله ﷺ یسئل عن اشتراء التمر بالرُّطبِ فقال لمن حوله أیَنقُصُ الرطب اِذا یبس قالوا نعم فنهیٰ عن ذالك. [ترمذی ج۱ ص۱۴۷، باب البیوع]

سعد بن وقاص کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اور میں سن رہا تھا کہ خشک کھجور کا مبادلہ کس تر کھجور کے ساتھ کیا جائے؟ آپ نے دریافت فرمایا: کیا تر کھجور کم ہو جاتی ہے جب کہ خشک ہو جائے؟ تو سائل نے عرض کیا: ہاں! تو آپ نے اس مبادلہ سے منع فرمایا، یعنی آپ نے فرمایا کہ کسی طرح اس کی تجارت نہیں ہو سکتی، نہ برابر، نہ کمی بیشی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔

......

حضور ﷺ نے حدیث شریف میں رشوت خوروں اور رشوت دینے والوں دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

عن عبدالله بن عمرو قال: لعن رسول الله ﷺ الراشی والمرتشی. [سنن ابوداؤد، کتاب الاقضیۃ، باب فی کراھیۃ الرشوۃ، ص ۶۷۳، مشکوۃ ج ا ص ۳۲۶، مجلس برکات مبارک پور]

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور ﷺ نے رشوت لینے والے اور دینے والے پر لعنت فرمائی۔

رشوت تو بڑی بات ہے کسی کے جائز حق کی سفارش پر اگر کوئی شخص ہدیہ قبول کرے تو اس کو بھی حضور ﷺ نے نہ صرف ناجائز بتایا بلکہ سود کا بڑا دروازہ بتایا، چناں چہ ابوامام باہلی سے مروی ہے کہ:

قال من شفع لاحد شفاعة فاهدى له هدية عليها فقبلها فقد اتى بابا عظيما من ابواب الربٰو ،رواه ابو داؤد .[سنن ابوداؤد، کتاب الاجارہ، باب فی الھدیۃ لقضاء الحاجۃ، ص ۶۲۶، دارالفکر بیروت]

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی کی سفارش کی، دوسرے نے اس کو تحفہ پیش کیا، اس نے اس کو لے لیا، تو بلا شبہ سود کے دروازوں میں سے ایک بڑے دروازے میں وہ داخل ہو گیا۔

اس لیے حضور ﷺ نے رشوت کے دروازے کو بند کرنے کے لیے ایسے تمام ہدایا و تحائف کو حکام کے لیے ناجائز قرار دیا جو ان کے عہدے کی بنا پر پیش کیے جاتے ہیں، بالفاظ دیگر حاکموں کو ان کے اپنے عہدے کے ذریعے فائدہ حاصل کرنے سے روک دیا، کیوں کہ اس سے بھی رشوت کے بڑھاوے کا امکان تھا، حضرت ابوحمید الساعدی سے مروی ہے کہ:

عن أبي حميد الساعدي -رضي الله عنه- قال: استعمل النبيﷺ- رجلا من الأزد، يقال له: ابن اللُّتْبِيَّةِ على الصدقة، فلما قدم، قال: هذا لكم، وهذا اهدى لى، فخطب النبى ﷺفحمد الله و اثنىٰ عليه ، ثم قال: «أما بعد: فإني أستعمل رجالا منكم على امور مما

وَلاَّنِي الله، فيأتي احدكم فيقول: هذا وهذا هديةاهديت لی فهلا جلس فی بیت ابیه و فی بیت امه فینظر ایهدی له ام لا والذی نفسی بیده لایاخذ احد منه شیئاً الا جاء به یوم القیامة یحمله علیٰ رقبته الخ
[مشکوٰۃ شریف ج ا ص ۱۵۶ مجلس برکات مبارک پور]

حضور ﷺ نے قبیلۂ ازد کے ایک آدمی کو (جن کا نام ابن اللتبیہ تھا) صدقہ کے وصول کرنے کا عامل مقرر فرمایا، پھر جب وہ واپس آئے تو انہوں نے کہا: اتنا مال آپ کے لیے ہے، اور میرے لیے بطور تحفہ پیش کیا گیا ہے، حضور ﷺ نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے اللہ کی حمد وستائش کی، پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا مجھ کو والی بنایا ہے، ان میں سے بہت سے امور پر تم میں سے کچھ لوگوں کو عامل مقرر کرتا ہوں، ایک شخص میرے پاس آکر کہتا ہے یہ آپ کے لیے ہے، اور یہ ہدیہ ہے، جو مجھے پیش کیا گیا ہے، کیوں نہیں وہ اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھا رہتا، پھر دیکھتا کہ اس کو ہدیہ پیش کیا جاتا ہے یا نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ جو چیز بھی لے گا اس کو قیامت کے دن اپنی گردن پر لادے ہوئے لائے گا۔

اس حدیث سے ائمہ کرام حکام کے لیے ناجائز قرار دیتے ہیں کہ وہ کسی شخص سے ہدیہ قبول کریں، ہاں اگر کوئی حاکم قریبی رشتہ دار ہو یا عہدۂ قضا پر فائز ہونے سے پہلے باہم تحائف کا تبادلہ ہوتا رہا ہو تو یہ دوسری بات ہے، اس کے جواز میں کلام نہیں کیا جاسکتا، لیکن ان دونوں صورتوں کے علاوہ میں اگر وہ ہدیہ قبول کرتا ہے تو گویا وہ اپنے عہدے سے فائدہ حاصل کرنے والا ہے، جو رشوت کا قریبی راستہ ہے، یا عادلانہ فیصلہ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ کا یہ سبب بن سکتا ہے، رشوت خواہ مالی یا ذہنی ہو دونوں طرح کی رشوتیں اسلام کی نگاہ میں نہایت ناپسندیدہ ہیں، اسی وجہ سے حکام کو شریعت اسلامی محتاط روش اختیار کرنے کی تلقین و ہدایت کرتی ہے، اور حاکموں کے خوش کرنے کے ایسے طریقوں کو پسند کی نگاہ سے نہیں دیکھتی ہے جن میں کسی طرح ان کا فائدہ ملحوظ ہو، چناں چہ عہد فاروقی کا ایک مشہور واقعہ بڑا سبق آموز ہے، جس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "موطا" میں ذکر کیا ہے کہ:

مدینہ منورہ سے ایک لشکر عراق کی طرف روانہ ہوا، اس میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے حضرت عبداللہ و عبید اللہ رضی اللہ عنہما شریک رہے، وہ واپس ہوتے ہوئے بصرہ کے حاکم ابو موسیٰ اشعری کے پاس آئے، انہوں نے بڑی خندہ پیشانی سے ان دونوں کا استقبال مرحباً اھلاً و سھلاً کے الفاظ سے کیا، پھر کہا کہ اگر میرے لیے ممکن ہوتا تو تم دونوں کو کسی طرح ضرور فائدہ پہنچاتا، پھر کچھ سوچ کر فرمایا کہ میں ضرور فائدہ پہنچا سکتا ہوں، وہ یہ کہ میرے پاس بیت المال کا سرمایہ ہے، جس کو میں امیر المؤمنین فاروق اعظم کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں، وہ سرمایہ تم دونوں کو بطور قرض دے رہا ہوں، یہاں سے عراق کا سامان خرید لو، پھر مدینہ منورہ جاکر بیچ دو، اصل سرمایہ تم دونوں امیر المؤمنین کو دے دینا اور جو کچھ نفع حاصل ہو وہ تمھارا ہوگا، اس تجویز کو عبداللہ اور عبید اللہ رضی اللہ عنہما نے پسند کیا اور بیت المال کا وہ سرمایہ بطور قرض لیا، اور اس سے کافی سامان خریدا، اور حضرت فاروق اعظم کے پاس ابو موسیٰ اشعری نے یہ خط لکھا کہ آپ اپنے بچوں سے بیت المال کا سرمایہ وصول کرلیں، جب یہ دونوں حضرات مدینہ منورہ واپس آکر اموال تجارت فروخت کیے تو ان کو نفع حاصل ہوا، جس کو اپنے پاس رکھ لیا اور اصل رقم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو پیش کیا اور ابو موسیٰ اشعری والی بات ان کو بتائی، فاروق اعظم نے فرمایا کیا تمام فوجیوں کو قرض دیا تھا جیسا کہ تم دونوں کو دیا تھا، صاحبزادگان نے نفی میں جواب دیا، تو انہوں نے فرمایا کہ تم دونوں امیر المؤمنین کے (یعنی میرے) بیٹے ہو، اس لیے تم کو قرض دیا گیا، اصل مال مل گیا ہے، منافع بھی بیت المال میں جمع کردو، حضرت عبداللہ تو خاموش رہے مگر حضرت عبید اللہ نے یہ عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین آپ کے لیے یہ بات زیبا نہیں، بالفرض اگر مال گم ہو جاتا یا ہلاک ہو جاتا تو ہم پر اس کا ضمان لازم ہوتا، فاروق اعظم نے ان کی یہ دلیل تسلیم نہیں کی اور ارشاد فرمایا کہ مال ادا کردو، عبداللہ پھر خاموش رہے اور عبید اللہ نے اپنی پہلی والی دلیل دہرائی، فاروق اعظم کی مجلس میں ایک شخص موجود تھا، اس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! اس معاملہ کو آپ اس طرح رفع دفع کرسکتے ہیں کہ اس کو مضاربت بنا دیں، چنانچہ فاروق اعظم نے اس کو مضاربت بنا دیا، پھر تمام راس المال اور نصف منافع بیت المال کے لیے وصول کیا اور نصف نفع میں دونوں فرزند شریک ہوئے۔ (موطا امام مالک ص ۲۸۵)

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روایت کردہ اس اثر سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے:

(الف) عہد فاروقی میں مضاربت کا رواج تھا، اور شرعاً مضاربت جائز ہے، اس میں شرکت بھی ہو سکتی ہے۔

(ب) اگر کوئی ماتحت اپنے حاکم کو خوش کرنے کی کوشش کرے تو اس کو چاہئے کہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کرے اور محض خوش ہو کر عدل وانصاف کے خلاف کوئی کام نہ کرے۔

(ج) بیٹے کے ساتھ حسن سلوک کرنا باپ کو خوش کرنے کے مترادف ہے، یا دل و دماغ کو متاثر کرنے کا بہترین طریقہ ہے، اگر کوئی باپ اعلیٰ عہدے پر فائز ہو تو اس کو احتیاط کی روش اختیار کرنی چاہئے، کیوں کہ بیٹے کے ساتھ حسن سلوک کبھی "ذہنی رشوت" ہو سکتی ہے، جو انصاف کے صحیح راستے سے ہٹادے۔

احادیث اور فقہی جزئیات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ گئی ہے کہ رشوت کی طرف پہنچانے والے راستے نہایت خفیہ اور پوشیدہ بھی ہوتے ہیں، ان سب سے احتراز لازم ہے۔

لیکن یہاں ایک سوال ذہن پر ابھر کے سامنے آتا ہے کہ ایسا سماج جس میں رشوت کا دور دورہ ہو اور اپنے جائز حق کے حصول میں رشوت کے بغیر کام نہ چل رہا ہو، تو کیا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ رشوت نہ دے اور اپنے حق سے دست بردار ہو جائے، کیا اسلامی شریعت اپنے حق کے حصول کے لیے بھی رشوت کے دروازے کو سختی کے ساتھ بند کرتی ہے؟ یا بوجہ مجبوری، اس میں کچھ جواز کا پہلو ہے، محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

اما اگر برائے اثبات حق و دفع ظلم از نفس بدہند لا باس بہ است، ہم چنیں اگر گیرندہ سعی کند در رسیدن حق بصاحب حق یا دفع ظلم از وے۔ [اشعۃ اللمعات ج۳ ص۳۲۶]

لیکن رشوت جب کہ اپنے حق کے حصول کے لیے دے دیا یا اپنی ذات سے ظلم کو دفع کرنے کے لیے دے تو اس میں کوئی قباحت نہیں، یوں ہی جب کوئی شخص رشوت اس لیے لے کہ کسی حق والے کو اس کے حق کے پہنچانے میں کوشش کر رہا ہے یا اس سے ظلم کو دفع کر رہا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عذر معقول کی بنا پر رشوت لینا دینا مباح ہے، لیکن اس مقام پر یہ نکتہ ذہن میں رہنا چاہئے کہ رشوت لینے کی اباحت صرف ایسے لوگوں کے لیے ہے جو قاضی اور حاکم نہ ہوں، اور جو لوگ صاحب اقتدار ہوں کہ رشوت کے بغیر دوسرے کا حق دلا سکتے ہوں تو ان کے لیے کسی حالت میں رشوت لینا جائز نہیں ہے، چناں چہ حضرت شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اما گفتہ اند کہ ایں در غیر قضاۃ و ولاۃ است، زیرا کہ سعی در اصابتِ حق واثبات آں و دفع ظلم از مظلوم واجب است بر ایشاں پس روا نباشد اجرت گرفتن برآں۔ [اشعۃ اللمعات ج۳،ص۳۲۶]

علماے اسلام نے کہا ہے کہ یہ حکم قاضیوں اور حاکموں کے علاوہ کے لیے ہے، اس لیے کہ مستحق کو اس کا حق پہنچانے کے لیے جدو جہد کرنا اور مظلوم سے ظلم کا دفع کرنا ان کے اوپر واجب ہے، تو اس پر اجرت لینا جائز نہ ہو گا۔

فضائل صدقات

(١)-عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ "أَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلَى عُرْيٍ كَسَاهُ اللهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ أَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلَى جُوعٍ أَطْعَمَهُ اللهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقَى مُسْلِمًا عَلَى ظَمَإٍ سَقَاهُ اللهُ مِنَ الرَّحِيقِ الْمَخْتُومِ "(سنن ابی داؤد کتاب الزکاۃ باب فی فضل سقی الماء ص:۳۱۵، دار الفکر بیروت، رقم 1682)

ترجمہ: ابو سعید رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق سرکار نے ارشاد فرمایا جس مسلمان نے کسی دوسرے مسلمان کو اس کی بے ستری میں لباس پہنایا تو اللہ اس کو جنتی لباس سے نوازے گا، جس مسلمان نے کسی مسلمان کو اس کی بھوک کی حالت میں کھانا کھلایا تو اللہ اس کو جنت کے پھلوں سے کھلائے گا اور جس مسلمان نے کسی مسلمان کو اس کی تشنگی میں پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے خالص شراب طہور سے سیراب فرمائے گا۔

انسان کی بنیادی ضرورتوں میں کھانا، لباس اور پانی ہے ،ان چیزوں کے بغیر اس کی زندگی اجیرن ہو سکتی ہے، بلکہ بعض اوقات اس کی زندگی فنا کے گھاٹ پہنچ سکتی ہے، اسی لیے فقہاے کرام نے فرمایا ہے کہ بعض اوقات کھانا پینا واجب ہو جاتا ہے، اس بنا پر حضور اکرم ﷺ نے اپنے متبعین کے جذبۂ ترحم کو ابھارا ہے کہ تمھاری اسلامی اخوت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے کسی بھائی کو بے ستر نہ رہنے دو، اگر وہ بھوکا ہے تو اس کو کھانا کھلا کر اللہ کے فضل و کرم کے سزاوار بن جاؤ، اگر وہ پیاسا ہے تو اس کی پیاس بجھا کر شراب طہور کے مستحق ہو جاؤ، گویا حضور اکرم ﷺ امت مسلمہ کو یہ تلقین فرمانا چاہتے ہیں کہ تم جو کچھ نیکی کرو گے اس کے اجر و ثواب سے محروم نہیں رہو گے بلکہ جنت میں تم کو اس سے کہیں بہتر چیزیں دے جائیں گی، آپ نے اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ دنیا ہی میں تم کو اس کا صلہ ملتا رہے گا، کیوں کہ دنیا کا کوئی اجر ،کوئی معاوضہ آخرت کے اجر و ثواب سے کوئی نسبت نہیں رکھتا، یہاں جتنی بھی نعمت ملے وہ سب فانی اور غیر باقی ہیں، ابدی راحت و سرور تو جنت کی نعمتوں میں ہے۔

(٢)-عن ابن مسعود -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: «لا حَسَدَ إلا في اثنتين: رجل آتاه الله مالا، فسَلَّطَه على

هَلَكَتِهِ فِي الحَقِّ، ورجل آتاه الله حِكْمَةً، فهو يقضي بها ويُعَلِّمُها»(صحیح البخاری باب انفاق المال فی حقہ ج ا ص، 189 رقم 1409، قدیمی کتب خانہ کراچی)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا "حسد" صرف دو آدمیوں سے کیا جاسکتا ہے: ایک ایسا شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا پھر اس کو راہ حق میں بے دریغ خرچ کرنے کا حوصلہ عطا فرمایا، دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم و دانش سے نوازا تو اس سے وہ فیصلہ کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔

حسد ایک امر قبیح ہے، کیوں کہ یہ دوسرے کی نعمت کے زوال کی آرزو کا نام ہے، اس کے اندر ایک عنصر یہ بھی شامل ہے کہ اس نعمت کی خواہش اپنے لیے کرے اور انسان کی ہر خواہش پوری ہو جائے، یہ مستبعد امر ہے، اس لیے جذبۂ حسد سے خواہ مخواہ کے لیے حاسد ایک عذاب الیم میں گرفتار رہتا ہے، جب یہ جذبہ حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو محسود کی ساری خوبیاں حاسد کی نگاہ میں برائیوں کی شکل میں نظر آتی ہیں، اس کی خوبی و کمال کے بیان سے اس بد نصیب کو قلبی اذیت پہونچتی ہے، اگر اس کی خوش اخلاقی اور عالی ظرفی کا تذکرہ ہو تو یہ کم ظرف اپنے حسد کی آگ سے جل اٹھتا ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ ایسے امر قبیح کی ستائش زبان نبوت سے نہیں ہو سکتی، پھر اس حدیث پاک کا کیا مفہوم ہے؟ شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک میں اگرچہ لفظ "حسد" کا استعمال کیا گیا ہے مگر وہ اپنے معروف معنی میں نہیں ہے، بلکہ اس سے "رشک" مراد لیا گیا ہے، اب حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگرچہ دنیا میں مختلف قسم کے صاحب کمال پائے جاتے ہیں، جن کی ظاہری حالت کو دیکھ کر رشک کیا جاسکتا ہے، کوئی ادب و لسانیات کا ماہر ہے، کوئی فن شاعری میں اپنے کمال کا مظاہرہ کرتا ہے، کوئی خطاطی میں اونچے مقام پر فائز ہے، کوئی کسی ہنر میں فائق تر نظر آتا ہے، مگر یہ سب اس لائق نہیں ہیں کہ ایک بلند نظر انسان اس کو خاطر میں لائے، یعنی ان سے رشک کرے، ہاں صرف دو قسم کے انسان ایسے ہیں جو اس قابل ہیں کہ ان پر رشک کیا جائے، ایک ایسا مال دار جو اپنی دولت کو بے دریغ راہ حق میں صرف کر رہا ہو، دوسرا وہ شخص جو علم و دانش سے نوازا گیا ہو اور اپنے مقتضائے علم پر عمل کر کے حق فیصلہ صادر کرتا ہو، اور نشر علوم میں اپنے قیمتی اوقات صرف کرتا ہو، گویا مال دار اور عالم اس لائق ہیں کہ ان سے رشک کیا جائے۔

(۳) وعن أبي هريرة قالَ: قالَ رسُولُ اللّٰہِ ﷺ: سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ في ظِلِّهِ يَوْمَ لا ظِلَّ إلَّا ظِلُّهُ: إِمامٌ عادِلٌ، وشابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ الله تَعالى، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ في المَسَاجِدِ، وَرَجُلانِ تَحابَّا في الله: اجتَمَعاَ عَلَيهِ، وتَفرَّقَا عَلَيهِ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ، وَجَمَالٍ فَقَالَ: إِنِّي أَخافُ الله، ورَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فأَخْفَاها، حتَّى لا تَعْلَمَ شِمالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينهُ، ورَجُلٌ ذَكَرَ الله خالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ متفقٌ عَلَيْهِ.(صحیح البخاری باب الصدقۃ بالیمین ج ۱ص ۱۹۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق سرکار نے فرمایا کہ سات قسم کے انسان ایسے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو اپنے سایۂ رحمت میں رکھے گا جس دن اللہ کے سایۂ رحمت کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، (۱) انصاف پسند حاکم (۲) ایسا جوان جس کی نشو ونما اللہ کی عبادت میں ہوتی رہی (۳) ایک ایسا شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہے (۴) دو ایسے آدمی جنہوں نے باہم ایک دوسرے سے اللہ کے لیے محبت کی ہو اور اللہ ہی کی محبت میں جمع ہوتے ہوں اور جدا ہوتے ہوں (۵) ایک ایسا شخص جس کو کسی عورت نے بری نیت سے جو حسن و جمال اور حسب و نسب والی تھی اپنے پاس بلایا تو اس نے کہا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (٦) ایسا آدمی جو صدقہ چھپا کر دے یہاں تک کہ اس کا بایاں ہاتھ نہ جان سکے کہ دایاں ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے (۷) ایک ایسا شخص جو خلوت میں اللہ کی یاد کرے تو خشیت الٰہی سے اس کی آنکھیں اشک بار ہو جائیں۔

اس حدیث پاک میں سات قسم کے انسانوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ وہ قیامت کے دن رب ذوالجلال کے قہر و جلال کے ظہور کے وقت اس کے سایۂ رحمت میں رہیں گے ان میں صدقہ دینے والے کو بھی شامل فرمایا گیا، اس لیے اگر کسی شخص کی یہ تمنا و خواہش ہو کہ خدائے پاک کے جلال کے وقت قیامت کی دھوپ سے اپنے محفوظ رکھے تو اس کو حسن نیت کے ساتھ صدقہ کرنا چاہئے۔

(۴) عَنِ الْحَسَنِ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "

حَصِّنُوا أَمْوَالَكُمْ بِالزَّكَاةِ ، وَدَاوُوا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ ،رواه ابو داؤد۔(فتاوی رضویہ ج۴ص۴۳۴مکتبہ رضویہ کراچی)

ترجمہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار نے فرمایا کہ اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرکے ان کی حفاظت کرو اور صدقہ دے کر اپنے مریضوں کا علاج کرو۔

اس حدیث پاک سے دو اہم باتیں معلوم ہوئیں: ایک یہ کہ اگر کوئی شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتا رہے تو اس کا مال اس قدر محفوظ ہو جائے گا کہ وہ گویا ایک مستحکم قلعہ کے اندر رکھا ہوا ہے جو کسی طرح سے ضائع نہیں ہو سکتا، نہ چور اس کو چرا سکتا ہے نہ کسی دوسرے سبب سے اس کو کوئی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، یعنی وہ اللہ کی حفاظت وصیانت میں رہے گا کہ وہ اس کے ضائع ہونے کی تمام راہوں کو مسدود فرمادے گا، دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص مریض ہو اور دوا علاج سے شفایابی کے امکانات مدھم پڑ گئے ہوں تو اس کی طرف سے اس کے تیمارداروں کو صدقہ کرنا چاہیے، اس سے شافئ مطلق کی طرف سے شفایابی کی امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔

(۵)عن أبي موسى الأشعري ،عن النبي ﷺ قال: على كل مسلم صدقة،فقالوا:يانبى الله! فمن لم يجد ؟قال: يعمل بيده فينفع نفسه ويتصدق ،قال: أرأيت إن لم يستطع؟ قال: يعين ذا الحاجة الملهوف قال: أرأيت إن لم يستطع، قال: يأمر بالمعروف أو الخير. قال: أرأيت إن لم يفعل؟ قال: يمسك عن الشر، فإنها صدقة- (بخاری شریف،ج ۱، کتاب الزکوة، رقم الحديث ۱۴۴۵)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق سرکار نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول جو صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہ پائے پھر وہ کیسے صدقہ کرے؟ تو سرکار نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے کام کرکے یعنی کما کر خود اپنی ذات کو فائدہ پہنچائے اور صدقہ کرے، اس پر عرض کیا گیا کہ اگر یہ بھی نہ ہو یعنی کام کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو پھر کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی محتاج، داد کے طلب گار کی مدد کرے، لوگوں نے کہا کہ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو؟ تو آپ نے فرمایا کہ اچھا کام کرے اور برائیوں سے اپنی ذات کو دور رکھے یہی اس کی جانب سے صدقہ ہے۔

صدقہ کا مفہوم عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کسی مفلس و نادار کو اپنے مال کا کچھ حصہ دے دے، لیکن حضور ﷺ نے اس کے مفہوم میں بڑی وسعت پیدا کر دی، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی مظلوم کی داد رسی کر دے اور ظالم کی ظالمانہ حرکتوں سے مظلوم کو محفوظ کر دے تو اس کو بھی صدقہ میں داخل فرمایا، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر آپ نے نیک کام کرنے اور اپنی ذات کو برائیوں سے محفوظ رکھنے کو بھی صدقے کے مفہوم میں شامل فرمایا، کیا اب کسی کے لیے یہ گنجائش رہ گئی کہ وہ صدقہ سے راہ فرار اختیار کرے؟ کیا کسی انسان کے اندر اتنی بھی استطاعت نہیں ہے کہ عمل خیر وہ بجالائے؟ یعنی اپنی زبان سے کسی کو نیکی کا حکم دے؟ اور کسی کو برائی سے روکے؟ اور خود اپنی ذات کو برائیوں سے محفوظ رکھے؟ لاریب ہر شخص کے اندر اتنی بات کی استطاعت ہے کہ وہ برائی نہ کرے، پھر وہ صدقہ کے ثواب کا ضرور حق دار ہوگا، خلاصہ یہ ہے کہ صدقے کے مفہوم میں اتنی وسعت ہے کہ اب کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں رہ گیا کہ میں کیسے صدقہ کروں؟ جب کہ میں مفلس و نادار ہوں۔

(٦)۔عن ابی ذر قال :انتهيت الیٰ النبی ﷺ و هو جالس فی ظل الكعبة، فلما رآنی قال :هم الاخسرون و رب الكعبة، فقلتُ: فِدَاكَ اَبِی و اُمی مَن هُم ،قالَ :هُمُ الاكثرونَ، الا مَن قال: هكذا وهكذا من بينِ اَيدِيهِ وَ مِن خَلفِهٖ وَ عَن يَمِينهٖ و عن شمالهٖ و قليل ماهم۔[مشکوٰۃ شریف ج۱ص۱۶۴مجلس برکات مبارک پور]

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری نے کہا کہ میں سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کعبہ شریف کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے، پھر جب مجھ کو دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ کعبہ کے رب کی قسم وہ لوگ بہت نقصان اٹھانے والے ہیں میں نے عرض کی آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں وہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا وہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے مگر جو ایسا ایسا کرے یعنی اپنے سامنے پیچھے، دائیں، بائیں، اپنے مال کو لٹائے، ہاں ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جس بندے کو دولت و ثروت سے خوب خوب نوازا ہے اگر اس نے کار خیر میں اپنا مال صرف نہ کیا تو بالآخر وہ ناکام و نامراد ہوگا اور آخرت میں اس کو بڑی محرومی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

الصادق الامین حضور اکرم ﷺ کے ان ارشادات عالیہ سے صدقہ کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اور اس کی فضیلت و برتری کو محسوس کرکے اپنے مجبور و لاچار بھائی کی دست گیری سے انسانیت اور مروت کا بلند مرتبہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور جب اس طرح سماج و معاشرے میں انسانیت دوستی کا ولولہ پیدا ہوجائے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ اس کے افراد و ارکان بے یار و مددگار ہوکر قساوت قلبی و بے رحمی کا شکار ہوجائیں یعنی ان کی ضرورتیں حاجتیں پوری نہ ہوں اور ان کو دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے کہ وہ دوسرا اس کو قرض دے اور اس سے زائد رقم "سود" وصول کرے، یعنی اگر مکمل طور سے صدقات و خیرات کا جذبۂ ترحم ابھر کر سامنے آجائے تو خود بخود سود کی لعنت سے رہائی حاصل ہوجائے گی، یہی وجہ ہے کہ نبی امی فداہ ابی و امی ﷺ نے اگر ایک طرف سود کی مذمت و حرمت نہایت بلیغ و مؤثر الفاظ میں بیان فرمائی تو دوسری طرف اپنے متبعین کو مختلف اسلوب بیان سے صدقات و خیرات کی رغبت دلائی نیز زکوٰۃ کا نظام قائم کرنے کا حکم (سرمایہ پرستوں کے ہوس زر سے مسلمانوں کو محفوظ و مامون کرنے کے لیے) دیا۔

نظام زکوٰۃ کے قیام کا حکم

عن ابن عباس -رضي الله عنهما-: أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- لما بعث معاذا إلى اليمن فقال: "إنك تأتي قوما أهل الكتاب، فليكن أولَ ما تدعوهم إليه شهادة أن لا إله إلا الله" -وفي رواية: "إلى أن يوحدوا الله-، فإن هم أطاعوك لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم خمس صلوات في كل يوم وليلة، فإن هم أطاعوك لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم فَتُرَدُّ على فقرائهم، فإن هم أطاعوك لذلك فإياك وكَرَائِمَ أموالِهم، واتق دعوة المظلوم فإنه ليس بينها وبين الله حجاب". (صحیح البخاری باب وجوب الزکاۃ ج۱ ص۱۸۷، رقم ۱۴۹۶، قدیمی کتب خانہ کراچی) (صحیح مسلم ج۱، باب الدعاء الی الشهادتین و شرائع الاسلام، رقم ۱۹)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو آپ نے فرمایا تم ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو

اہل کتاب ہے، پہلے ان کو اس بات کی گواہی کی طرف بلاؤ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں ﷺ پھر اگر وہ اس بات کو مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے دن رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ اس کی بھی اطاعت کرلیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مال داروں سے وصول کی جائے گی اور ان کے محتاجوں پر لوٹا دی جائے گی اور، اگر اس بات کی بھی فرماں برداری کرلیں تو تم ان کے عمدہ مال کے وصول کرنے سے احتراز کرنا اور مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا کیوں کہ اس کے درمیان اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

اس فرمان رسول سے حسب ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے:

(الف) اسلامی احکام وعقائد کی تبلیغ ونشر میں تدریج کی حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے، شریعت اسلامی کے فرائض وذمہ داریوں کو ایک ساتھ نہیں پیش کرنا چاہیے، یکایک تمام احکام اسلام کو نومسلموں یا جاہلوں پر پیش کرکے ان کو الجھن میں مبتلا نہیں کرنا چاہیے۔

(ب) زکوٰۃ کی وصولی مسلمانوں کا انفرادی عمل نہیں ہے بلکہ یہ ایک اجتماعی کام ہے جس کی ذمہ داری اسلامی ریاست کے اوپر ہے اور حاکم وقت پر لازم ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی کے لیے ایک نظام مرتب کرے پھر مستحقین زکوٰۃ پر اس کو تقسیم کرے، ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ غریب مسکین یا جو مستحق زکوٰۃ ہیں خود اس کی وصولی کریں بلکہ اسلامی ریاست کا سربراہ کارکنوں کو مقرر کرکے وصولی کروائے اور وہ غریبوں اور ناداروں پر تقسیم کرے کیوں کہ وہی محتاجوں کی ضرورتوں کے پوری کرنے کا ذمہ دار ہے۔

(ج) زکوٰۃ کی وصولی میں توسط واعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہئے، جبر واکراہ سے اچھی اچھی چیزوں کو زکوٰۃ یا عشر میں لینا جائز نہیں ہے، بلکہ اوسط درجے کی چیزوں کو زکوٰۃ میں لینا چاہیے، مثلاً کوئی کارکن یا عامل کاشت کاروں سے عشر وصول کررہا ہو تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ عمدہ قسم کا گیہوں لے لے اور خراب قسم کا گیہوں کاشت کاروں کے لیے چھوڑ دے۔

۲۔وَعَنْ أَبِي هُرِيرَةَ قَالَ: لَمَّا تُوُفِي رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَكَانَ أَبُو بَكْر، وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ العربِ، فَقَالَ عُمرُ: كيفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقدْ قَالَ رسُولُ اللهِ ﷺ: أُمِرتُ أَنْ أُقاتِلَ النَّاسَ حتَّى يَقُولُوا لاَ إِلهَ إِلاَّ اللهُ فَمَنْ قَالَهَا،

فقدْ عَصَمَ مِني مَالَهُ وَنَفْسَهُ إلاَّ بِحقِّه، وَحِسَابُهُ عَلى الله؟ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: واللهِّ لأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلاةِ والزَّكاةِ، فإن الزَّكَاةَ حَقُّ المَالِ. واللهِّ لَو مَنَعُوني عِقَالًا كانَوا يُؤَدونَهُ إلى رَسُولِ اللهَّ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى منعِهِ، قَالَ عُمرُ: فَوَاللهَّ مَا هُو إلاَّ أَن رَأَيْتُ اللهَّ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ أَبي بَكْرٍ للقِتَالِ، فَعَرفْتُ أَنَّهُ الحَقُّ. مُتفقٌ عَلَيْهِ. (بخاری شریف ج۱، کتاب الزکوۃ، رقم ۱۳۹۹) (صحیح مسلم، کتاب الایمان، ج۱، رقم ۲۸)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ نے بتایا کہ جب سرکار دوعالم ﷺ وفات پاگئے اور ابوبکر ان کے خلیفہ ہوئے اور عرب میں سے کچھ لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی یعنی اسلام سے مرتد ہوگئے، تو حضرت ابوبکر ایسے مرتدین سے قتال کے لیے آمادہ ہوگئے، اس پر حضرت عمر نے کہا کہ آپ کیسے قتال کریں گے، حالاں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لوگوں سے مجھ کو قتال کا حکم دیا گیا ہے، یہاں تک کہ لا الہ الا اللہ کہیں، پھر جس شخص نے اسے کہہ لیا اس کا مال اس کی ذات مجھ سے محفوظ ہوگئی، الا یہ کہ شرعی حق اس کے اوپر واجب ہوجائے اور اس کا حساب اللہ کے یہاں ہوگا، تو حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ بخدا ضرور ایسے لوگوں سے قتال کروں گا جنہوں نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کیا ہے، کیوں کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، بخدا اگر انہوں نے بکری کے ایسے بچے کو روک لیا جسے وہ زکوٰۃ میں سرکار کو دیتے تھے تو اس کے روک لینے پر بھی میں ان سے جہاد کروں گا، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس بات کے لیے بخدا ابوبکر کے سینے کو اللہ تعالیٰ نے کھول دیا اور مجھے بھی عرفان حاصل ہوگیا کہ یہ بات حق ہے۔

اس حدیث پاک سے یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی کہ اگر کوئی شخص ازراہ انکار اسلامی ریاست کو زکوٰۃ ادا نہ کرے تو وہ اسلام کا منکر ہوگیا، ایسے لوگوں سے جہاد کرنا اسلامی ریاست کا فریضہ ہوجاتا ہے، کیوں کہ ان کی ذات و مال اب محفوظ نہیں رہ گئے، اسی سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ اسلامی حکومت پر لازم ہے کہ زکوٰۃ کا نظام قائم کرے کیوں کہ زکوٰۃ وعشر وغیرہ کی تحصیل کا کام اسلامی حکومت ہی کے ذمے ہے، اگرچہ انفرادی طور پر زکوٰۃ کے ادا کرنے سے اس کے فریضے سے سبک دوش ہونے میں کلام نہیں کیا جاسکتا تاہم وہ مقاصد عالیہ جو زکوٰۃ وعشر کی وصولی سے حاصل ہوسکتے ہیں انفرادی طور پر ادا کرنے سے حاصل نہ ہوں گے۔

ان تمام تشریحات و تفصیلات سے دو باتیں کھل کر سامنے آئیں:

ہر مسلمان صاحب استطاعت کو راہ خدا میں اپنا مال صرف کرنا چاہیے۔

صدقات و خیرات، زکوٰۃ و عشر واجبات مالیہ وغیرواجبات کی تحصیل کا نظام قائم کرنا چاہئے اور ان کو ان مصارف میں اسلامی ریاست خرچ کرے جن کی صراحت قرآن حکیم میں کی گئی ہے اور جن کے جزئیات کی تفصیلات فقہ اسلامی کی کتابوں میں موجود ہے۔

لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ انفرادی طور سے زکوٰۃ وصدقات وغیرہ کی ادائگی ہوتی ہے مگر کوئی اجتماعی نظام برپا کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی نہ کوئی بیت المال قائم کیا جاتا ہے جس میں زکوٰۃ کی رقم دی جائے، اگرچہ اسلامی حکومت بھارت میں نہیں پائی جاتی ہے تاہم مسلمان منظم ہو کر اگر اس کا نظم قائم کریں تو اس کی راہ میں غیر مسلم حکومتیں رکاوٹ نہیں ڈالیں گی۔

دنیا میں خدا جانے کتنے فلاحی ادارے کام کر رہے ہیں، کہیں معذوروں کی مدد کے لیے انجمنیں قائم ہیں، کہیں یتیموں کی تعلیم و تربیت کے لیے کامل نظم کے ساتھ ادارے کام کر رہے ہیں، کہیں بیماروں اور مریضوں کے علاج و معالجہ کے لیے اسپتال قائم کر دیئے گئے ہیں، کہیں جنگ کے زخمیوں اور بیماروں کی دیکھ بھال کے لیے انتظام کیا گیا ہے، فساد زدہ یا آسمانی آفتوں میں جو لوگ گھر گئے ہوں ان کی راحت رسانی کے لیے کمیٹیاں قائم کر دی گئی ہیں، یہ سب کام وہ لوگ کر رہے ہیں جن کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ اسلام کے مخالفوں اور اس کے معاندوں کے زمرے میں شامل ہیں، ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم لوگ انسانیت کی خدمت کرتے ہیں، لیکن اتنی بات متحقق ہے کہ ان کی نظر میں حیات بعد الممات زندگی نہیں ہوتی، نہ یہ سب خوف خدا اور خوف آخرت رکھتے ہیں، جس سے ان کی نیتوں میں اخلاص پیدا ہو جائے، بلکہ یہ لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں محض نام و نمود اور دنیا میں اپنی یادگار قائم کرنے کے لیے کرتے ہیں۔

ان تمام فلاحی کاموں کو مسلمانوں کو کرنا چاہئے تھا، کیوں کہ اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے مطابق ہر مال دار مسلمان پر نہ صرف یہ لازم ہے کہ اپنے مال کا معتدبہ حصہ کار خیر میں صرف کرے بلکہ اس کے حق میں یہ بھی بہتر ہے کہ صدقات و خیرات سے اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرے، اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان نظام زکوٰۃ و خیرات برپا کریں تاکہ

غریبوں کی خاطر خواہ مدد ہوسکے اور لاچاروں اور مجبوروں کی زندگی کو ہلاکت سے بچانے کے لیے کوئی معقول انتظام ہوسکے، اگر مسلمان صرف اتنا کام کرتے کہ زکوٰۃ کا نظام اس کی ٹھوس بنیادوں پر استوار کرتے تو سودی کاروبار یا لین دین کی جڑ خود ہی کٹ جاتی، سود خواہ تجارتی کاموں کے لیے لیا جائے یا زرعی ضرورتوں کے لیے ان سب کی بنیاد یہی ہے کہ اس برق رفتار ترقی کے دور میں سود لیے دیئے بغیر مسلمانوں کی ضرورتیں کیسے پوری ہوں، کامل وثوق اور پورے انشراح صدر کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اگر صحیح ڈھنگ سے زکوٰۃ وصدقات وعشر وغیرہ کا نظام برپا کردیا جائے اور مسلم جماعت کا ہر فرد اپنی قومی ضرورت کا احساس رکھے تو مسلمانوں کو دنیا کے سودی اداروں پر نگاہ ڈالنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، ان کی ساری ضرورتیں ان کے قومی ادارے یا بیت المال سے پوری ہوجائیں گی، ہاں اس نظام کے برپا کرنے کے لیے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے، مخلص کارکنوں کی فوج سے انقلاب عظیم کی راہیں ہموار کی جاسکتی ہیں، ہم کو ہر مقام پر فاسد نظام سے ٹکر لینی پڑے گی اور اپنی جاں بازی اور جاں سپاری سے ہم کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ہم دنیا کی زندگی کو کوئی حیثیت نہیں دیتے، ہم کم نظر نہیں بلکہ بلند نگاہ رکھتے ہیں، ہماری نگاہ میں صرف آخرت کی زندگی قدر وقیمت رکھتی ہے۔

بہر حال اب مناسب تصور کرتا ہوں کہ کچھ فقہی احکام و جزئیات زکوٰۃ کے سلسلے میں پیش کردیئے جائیں تاکہ ہمارے قارئین کرام کی نگاہ میں یہ بات رہے کہ جو کچھ زکوٰۃ کی ادائگی ہورہی ہے یا جس انداز سے ہورہی ہے وہ صحیح ڈھنگ سے ہو۔



یادداشت

☆☆☆

خراج عقیدت

اس عظیم علمی کاوش کومرتب کتاب کی اجازت سے ہم سبھی برادران سب سے پہلے سلطان الاساتذہ شیخ القران حضرت علامہ عبداللہ خان عزیزی علیہ الرحمہ کی خدمت میں نذر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے اور ہم سب کو حضرت کے روحانی فیضان سے مالا مال فرمائے۔ پھر اس کتاب کے ذریعے ہم سب خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اپنے والدین کریمین کی خدمت میں جن کے وجود سے ہمیں وجود ملا، جن کی دعائے نیم شبی سے ہم سب خدمت دین کے لائق ہوئے، جن کی عنایات کے طفیل اج ہم سب برادران خوشحال زندگی گزار رہے ہیں اور حسب استطاعت خلق خدا کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں ہیں۔ کتاب مندجہ زیل محسنین کی بارگاہوں میں بطور خراج عقیدت پیش ہے۔

1۔ شیخ القران حضرت علامہ عبداللہ خان عزیزی علیہ الرحمہ

(ولادت: 15 نومبر 1935 / وفات: 17 جولائی 2010)

2۔ مرحومہ حجن سجیب النساء اہلیہ محترمہ حضور شیخ القران علیہ الرحمہ

(ولادت: 20 جون 1942 وفات: / مارچ 1998)

3۔ والد ماجد الحاج معین الدین خان مرحومہ

(ولادت: 20 جولائی 1937 وفات: / 24 اکتوبر 2008)

4۔ والدہ ماجدہ حجن زلیخا خاتون مرحومہ مغفورہ

(ولادت: 10 اگست 1948 / وفات: 29 جون 2015)

اللہ جل شانہ ہمارے ان پیاروں پر کرم فرمائے اور اس کتاب کو ان کے لیے سامان بخشش بنائے۔

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے ● حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

من جانب

الحاج وصی الدین خان نورانی، الحاج بشیر الدین نورانی

الحاج شمس الدین برکاتی، الحاج شہنشاہ حسین برکاتی

وجملہ اہل خانہ جمدا شاہی بستی

Muballigh-E-Islam Reserch Center

Mumbai- India